بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افضل الرسل ﷺ

مصنفہ

سراج الملت پیر سید محمد حسین شاہ علی پوری ؒ

ناشر

مرکزی مجلس امیر ملت ؒ

برج کلاں ضلع قصور

سلسلۂ اشاعت نمبر

۸

نام کتاب .... اَفضلُ الرُّسُل

مصنّف .... سراج الملت پیر سید محمد حسین شاہ علی پوری ؒ

مقدمہ .... ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب مدظلہٗ

ترتیب و تہذیب .... محمد صادق قصوری

صفحات ۱۹۲

سالِ طباعت ۱۹۹۲ء

تعداد .... ایکہزار

ہدیہ .... دعائے خیر بحق معاونین مجلس امیر ملت رح

نوٹ!

بیرونی حضرات دس روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیجکر طلب کریں !!!

ناشر

مرکزی مجلسِ امیرِ ملت، برج کلاں ضلع قصور

کاتب : سید قمر الحسن ضیغم قادری لاہور

طباعت : رشید اینڈ سنز پرنٹرز ۔ کراچی

مقدمہ

از

ضیاءُ الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب ایم ۔ اے (الازہر)

سجادہ نشین بھیرہ شریف ضلع سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایمان ایک دولتِ لازوال ہے ۔

یہ صحنِ چمن میں مہکتا گلاب ہے ۔

آغوشِ صدف میں گوہرِ آبدار ہے ۔

خزاں رسیدہ درختوں کے لیے مژدۂ فصلِ بہار ہے ۔

شبِ دیجور میں دمکتے ماہتاب کی نشیلی چاندنی ہے ۔

خشک سالی سے اُجڑے ہوئے جہاں کے لیے بارانِ رحمت ہے ۔

یہ دولتِ سرمدی حاصل کیسے ہوتی ہے ؟

توحید کا اقرار کر لینے سے

قلب کی گہرائیوں سے اس کی تصدیق کرنے سے

عظمتِ رسالت کا نقش لوحِ دل پر ثبت کر لینے سے

عقیدۂ قیامت اپنا لینے سے ۔

یہ سارے عقائد دل میں جاگزیں ہوں گے تو انسان مسلمان ہوگا لیکن تکمیلِ ایمان کی شرط محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہے۔ یہ جذبہ دل میں موجزن نہ ہو تو ایمان ایسا پھول ہے جس میں خوشبو نہیں، یہ ایسا چاند ہے جو چاندنی سے محروم ہے کیونکہ شبِ اسریٰ کے دولہا کا ارشاد ہے:۔

والذی نفس محمد بیدہ لا یکون احدکم مومناً حتیٰ
اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین

ترجمہ:۔ "قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میری محبت اس کے دل میں اپنے والدین، اولاد حتیٰ کہ ساری انسانیت سے زیادہ نہ ہو۔"

آپ کے اس ارشاد کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر مسلمان کے لیے آپ کی محبت جانِ ایمان ہے، لیکن توجہ طلب پہلو یہ ہے کہ عشقِ بلاخیز کا قافلۂ سخت جان تو صرف اس منزل کی جانب رختِ سفر باندھتا ہے جہاں حُسن اپنی ہوش رُبا تجلیات کے جھرمٹ میں جلوہ آرا ہو اور اُس کے دل رُبا جلوے اسے دعوتِ نظارہ دے رہے ہوں اور یہ بھی ایک بدیہی امر ہے کہ محبت کے مزاج میں دوسروں کی تقلید نہیں بلکہ عشق کا ہر جذبہ حُسن کے نئے روپ کا متقاضی ہوتا ہے۔ کسی کو قامتِ رعنا پسند ہے کوئی نرگسیں آنکھوں کا شیدائی ہوتا ہے۔ کچھ مزاج ایسے ہوتے ہیں جو حُسنِ سیرت میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں، انہیں جمالِ معنوی میں اپنے جذبوں کی تسکین کا سامان ملتا ہے۔ جب ہر انسان کے ایمان کی تکمیل محبتِ رسولؐ شرط ہے تو یقیناً ہر انسان کے جذبۂ محبت کی تسکین کے لیے حُسن کا ہر معیار آپ کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کے حُسن کو بیان کرتے ہوئے ارشادِ الٰہی ہے: "مازاغ البصر وما طغیٰ"۔ رُخِ روشن کو " والضحیٰ " سے تعبیر کیا۔ عنبریں زلفوں

کو " واللیل اذا سجیٰ " کہا۔ آپ کے حُسنِ ظاہری کے جلوے اَن گنت و بیشمار ہیں۔ اِن کو گننا یا بیان کرنا حیطۂ امکان سے ماوراء ہے۔ بقول حضرت حسان بن ثابتؓ

ے واحسن منک لم ترقط عینی — واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرأ من کل عیب — کانک قد خلقت کما تشاء

جمالِ سیرت کے بھی بے شمار پہلو ہیں۔ آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔ آپ کے اخلاقِ کریمانہ کو اللہ کریم نے " اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ " سے تعبیر کیا ہے۔ آپکی نبوت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: " کافۃ للناس بشیرا ونذیرا "۔ علم کی رفعتوں کا ذکر فرمایا تو " علمک مالم تکن تعلم " کہا۔ حسن کا کونسا جلوہ ہے جس کی رعنائیاں اور زیبائیاں آپ کی ذات میں موجود نہیں۔ کتنے حسین الفاظ ہیں جو کسی صاحبِ دل نے اظہارِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہے ہیں۔ ے

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم — کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست

کمالات کی ایسی جامعیت کے پیشِ نظر اللہ جل مجدہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو سارے انبیاء و رُسل پر فضیلت عطا فرمائی ہے:

زیرِ مطالعہ کتاب " افضل الرسل "، اسی موضوع پر سراج الملت والدین حضرت علامہ سید محمد حسین شاہ صاحب علی پوری کی تصنیفِ لطیف ہے۔ ابتدائی خطبہ کے بعد فاضل مصنف نے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی افضلیت کو بیان کرنے سے پہلے مختلف حوالہ جات سے یہ ثابت کیا ہے کہ مقامِ بشریت، مقامِ ملائکہ سے افضل و اعلیٰ ہے۔ عام انبیاء ساری انسانیت بلکہ ملائکہ سے افضل ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جملہ انبیاء سے اعلیٰ ہے۔ بطورِ استشہاد مصنف موصوف نے قرآن و حدیث اور دوسری ثقہ روایات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت ثابت کرنے کے لیے ۱۱۵ عنوانات بنائے ہیں۔ کتاب کے آخر میں گزشتہ انبیاء کرام میں سے چند جلیل القدر انبیاء و رُسل کا تذکرہ کرتے ہوئے

اُن کے اوصاف و کمالات کے ساتھ آقا علیہ السلام کے محاسن کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس سلسلہ میں جو بات لائقِ تحسین ہے وہ یہ کہ اس تقابلی جائزہ میں مقامِ نبوّت کا ہر صورت میں خیال رکھا گیا ہے۔

یہ کتاب سب سے پہلے ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور کے مختلف شماروں میں ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۳ء شائع ہوتی رہی۔ بعد ازاں اسے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن مولانا غلام رسول گوہر مرحوم نے ۱۹۶۳ء میں قصور سے شائع کیا اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۸ء میں مجدّد اکیڈمی بُرج کلاں ضلع قصور نے شائع کیا۔ گزشتہ ایڈیشنوں میں چند خامیاں تھیں جو قارئین کو بُری طرح کھٹکتی تھیں مثلاً قرآنی آیات کے حوالہ جات ذکر نہیں کئے گئے تھے اور نہ ہی ان کا ترجمہ پیش کیا گیا۔ کتاب میں درج عربی اشعار کا ترجمہ بھی نہیں تھا۔ نیز کتاب کے آخر سے چند اوراق کم تھے جو گزشتہ ایڈیشنوں میں شاملِ اشاعت نہیں ہو سکے تھے۔ کتاب کے اندازِ بیان پر مناظرانہ رنگ غالب تھا اور بعض مقامات پر معقولات کی اصطلاحات نے عبارات کو اتنا پیچیدہ اور مشکل بنا دیا تھا کہ عام قارئین کے لیے انہیں سمجھنا ممکن نہ تھا۔

محترم محمد صادق قصوری صاحب بانی و ناظمِ اعلیٰ مرکزی مجلسِ امیرِ ملّت بُرج کلاں ضلع قصور لائقِ صد تحسین ہیں جنہوں نے اپنی شبانہ روز کاوشوں سے اس کتاب کو از سرِ نَو ترتیب دیا۔ مندرجہ بالا کمزوریوں کے ازالہ کے لیے آیاتِ قرآنی کا ترجمہ بھی درج کیا اور ساتھ ہی عبارات میں روانی اور تسلسل پیدا کرنے کے لیے کامیاب کوشش کی ہے۔ کتاب کو مفید تر بنانے کے لیے ابتداء میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی اور آپ کی خدمات کو نہایت جامع انداز میں پیش کیا ہے۔

محترم قصوری صاحب کی ذات عوامِ اہلِ سنّت کے لیے غنیمت ہے جنہوں نے نہ صرف اس کتاب کو مفید تر بنا کر ہمارے لیے مثبت لٹریچر میں اضافہ کیا بلکہ علم و ادب

اور تاریخ کی ایسی شاہراہوں پر بھی اپنا راہوارِ قلم دوڑایا ہے جو پہلے ویران اور سنسان تھیں۔ مَیں اُن کے اِن جواں جذبوں کو سلام کہتا ہوں جو اہلسنت کے علمی احیاء کے لیے سرگرم ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں خانوادۂ امیرِ ملّت رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی، مذہبی خدمات پہلے بھی کم نہ تھیں۔ اس کتاب کا اضافہ اس سلسلہ میں قندِ مکرّر ثابت ہوگا۔ خداوندِ قدوس کی بارگاہ میں دُعا ہے کہ اس کارِ خیر کے سبب حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند فرمائے اور عامۃ المسلمین کو اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

محمد کرم شاہ
سجّادہ نشین آستانہ امیریہ بھیرہ شریف
جج سپریم کورٹ آف پاکستان۔
۲۳، شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
۱۱، مارچ ۱۹۹۱ء

مختصر حالات

حضرت سراج الملت پیر سیّد محمد حسین شاہ علی پوری قدس سرّہٗ

از قلم : محمد صادق قصوری

مُرشدی و مولائی، سیّدی و سندی سراج الملت حضرت پیر سیّد محمد حسین شاہ صاحب کی ولادت باسعادت ۷ رشوال ۱۲۹۵ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۸۷۸ء کو سنوسیٔ ہند حضرت امیر ملت حافظ پیر سیّد جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عالم اسلام کے مشہور و معروف رُوحانی مرکز علی پور سیّداں ضلع سیالکوٹ میں صبحِ صادق کی ساعتِ سعید میں ہوئی۔ آپ کی پیدائش پر بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ حضرت امیرِ ملت قدس سرہٗ نے آپ کے چاند سے بڑھ کر حسین چہرے کو دیکھا تو جامے میں پھولے نہ سمائے اور بے اختیار ہو کر گود میں اٹھالیا اور دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی۔ اور پھر دعائے خیر کی۔ (اللہ اکبر! وہ ساعت کتنی سعید ہوگی۔ قصوری)

ساتویں روز آپ کے بال منڈوائے گئے اور صدقہ وخیرات کیا۔ آپ کا اسم گرامی محمد حسین رکھا اور دو بکرے ذبح کر کے عقیقہ کیا۔ آپ دو تین مہینے کے تھے کہ حضرت باباجی فقیر محمد چوراہی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ (ف ۱۳۱۵ھ) تشریف لائے تو آپ کے چچا حضرت سیّد صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (ف ۱۹۲۴ء) آپ کو اپنی گود میں لے کر حضرت باباصاحبؒ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ "اس پر دم کر دیجئے۔ یہ اکثر روتا رہتا ہے۔" حضرت باباجیؒ نے دم فرما کر ارشاد کیا کہ :

"یہ رونے والا بچہ نہیں ہے۔ یہ بڑا مرد ہو گا اور ہمیشہ خوش وخرم رہے گا۔"

آپ کا بچپن نہایت پاکیزہ اور شگفتہ تھا۔ اونچی آواز سے نہیں بولتے تھے۔ بڑوں کا ادب کرتے تھے۔ کپڑے صاف ستھرے رکھتے تھے۔ جب آپ کی عمر مبارک سوا چار سال کو پہنچی تو آپ کو حضرت قاری حافظ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کلام مجید کی تعلیم اور حفظ کے لیے بٹھایا گیا۔ اور آپ نے پانچ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ اس کے بعد علی پور سیداں کے پرائمری سکول سے پرائمری کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کر کے قلعہ سوبھا سنگھ سے مڈل پاس کیا۔ اور دینیات کی تعلیم کے لیے حضرت مولانا عبدالرشید صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد استاذ العلماء حضرت مولانا نور احمد نقشبندی امرتسریؒ (ف ۱۹۳۰ء) کے پاس امرتسر جا کر اکتسابِ علم کرتے رہے۔ امرتسر میں تحصیلِ علم کے بعد آپ نے دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور اور پھر مدرسہ امینیہ دہلی میں داخلہ لیا۔ درسِ نظامی کی تمام اعلیٰ کتابیں تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، فلسفہ وغیرہ کی تکمیل وہیں سے کی۔ قیامِ دہلی کے دوران ہی مسیح الملک حکیم محمد اجمل خانؒ (ف ۱۹۲۷ء) کے طبیہ کالج دہلی میں داخلہ لے کر طب کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ آپ حکیم صاحب موصوف کے لائق ترین شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔

حصولِ تعلیم کے بعد آپ علی پور سیداں شریف واپس تشریف لے آئے تو بیس برس کی عمر مبارک میں آپ کی شادی آپ کے تایا حضرت پیر سیّد نجابت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (ف ۱۳۳۶ھ) کی دخترِ نیک اختر سے انجام پائی۔ انہیں ایام میں حضرت امیرِ ملت قدس سرہٗ نے علی پور شریف میں مدرسہ نقشبندیہ کا اجرا فرمایا تو آپ کو مہتمم مقرر کیا گیا۔ آپ مدرسہ کے انتظام و انصرام کے علاوہ طلباء کو علوم وفنون کی کتابیں بھی پڑھاتے تھے۔ عربی و فارسی پر آپ کو مہارتِ تامہ اور شہرتِ عامہ حاصل تھی۔ تحریر و تقریر میں اہلِ زبان کی طرح

یدِطولیٰ حاصل تھا۔ تمام عمر کبھی بول چال میں رکاوٹ نہ آئی۔ آپ کی فصاحت و بلاغت پر بڑے بڑے علماء و فضلاء کو حیرانی ہوتی تھی اور وہ بے ساختہ داد دینے پر مجبور ہوتے تھے۔

آپ کے پڑھانے کا انداز نہایت شائستہ اور نرالا تھا۔ طلباء کے ساتھ نہایت شفقت فرماتے تھے۔ جمعۃ المبارک کی رات طالب علموں کو لیکر مغرب کی نماز کے بعد "مسجد نُور" کے صحن میں بیٹھ جاتے اور نمازِ عشاء تک سوال و جواب اور مناظرہ آرائی ہوتی رہتی۔

شروع میں آپ نے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ حضرت بابا فقیر محمد چوراہیؒ (ف ۱۳۱۵ھ) کے دستِ اقدس پر بیعت کی سعادت حاصل کی تھی اور اجازت و خلافت سے بھی سرفراز کئے گئے تھے۔ ان کی رحلت کے بعد والدِ گرامی قدر یعنی حضرت امیرِ ملت قدس سرہ سے بیعت ہوکر ۱۱ مئی ۱۹۱۶ء کو بر موقعہ سالانہ جلسہ علی پور شریف، خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ حضرت امیرِ ملت قدس سرہٗ کی حیاتِ ظاہری ہی میں آپ کے علم و عرفان کی دھوم مچ گئی تھی۔ ہزاروں لوگ آپ سے بیعت کر کے گمراہی و گمگشتگی سے نجات حاصل کر کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہوگئے۔ راقم الحروف نے بھی اپریل ۱۹۵۶ء میں اپنے گاؤں ڈبرج کلاں (تحصیل و ضلع قصور) کی "جامع مسجد امیرِ ملت" میں بعد نمازِ ظہر آپ کے دستِ اقدس پر بیعت کر کے شرفِ غلامی حاصل کیا تھا۔

حضرت امیرِ ملت قدس سرہٗ کو جب فرصت نہ ہوتی تو لوگوں کو بیعت کے لیے آپ کی خدمت میں بھیج دیتے۔ یہ شرف حضرت امیرِ ملت قدس سرہٗ کی حیاتِ طیبہ میں خاندان کے کسی اور فرد کو حاصل نہیں ہوا۔ ع یہ رُتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا۔

آپ عالم، فاضل، پیر، ادیب، حکیم ہونے کے علاوہ ایک بہت بڑے مناظر بھی تھے۔ آپ کو اکثر تحریری مناظروں کے مواقع ملے۔ آپ نے مخالفین کی تحریروں میں ہمیشہ غلطیاں نکالیں، جس کی وہ کبھی توجیہ و تاویل نہ کر سکے۔ مگر آپ کی تحریریں اُن کو نکتہ چینی اور خوردہ گیری کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ نے بارہا چیلنج بھی کیا مگر معاندین کو

چپ سادھ لینے ہی میں عافیت نظر آئی۔ آپ کے بیسیوں مناظروں میں سے ایک مناظرہ کی مختصر جھلک پیشِ خدمت ہے:

ایک بار جامعہ الازہر مصر کے ایک استاد، علی پور سیداں آئے۔ بعض مسائل پر ان سے اختلاف ہوا تو مستقل بحث و مناظرہ ہونے لگا۔ تین دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ حضرت اس دوران برابر عربی میں گفتگو فرماتے رہے۔ مدرسہ کے اساتذہ و طلباء محفل میں موجود ہوتے اور اُن کی علمی بحث سے استفادہ کرتے۔ آپ نے دلائل و براہین سے حنفی مسلک کی صحت و افادیت ثابت کی۔ اور اُس مصری عالم کو قائل کر لیا۔ اُسے آپ کی فصیح اور شُستہ عربی گفتگو پر سخت حیرت تھی۔ آخر اُس نے دریافت کیا کہ آپ نے ملک عرب میں کتنی مدت گزاری ہے؟ آپ نے ارشاد کیا کہ "حج کے زمانے کے علاوہ مجھے کبھی وہاں رہنے کا شرف حاصل نہیں ہوا"۔ یہ سُن کر وہ حیرانی سے کہنے لگا کہ ہندوستان میں رہتے ہوئے آپ کو پھر کس طرح لسانی مہارت حاصل ہوگئی۔

آپ کو کتابوں کی خریداری کو بہت شوق تھا۔ جب حج بیت اللّٰہ کا فریضہ ادا کرنے کے لیے جاتے تو نایاب کتب خرید کر لاتے۔ آپ ہزاروں روپے صرف کر کے عربی کتب خرید کر لائے۔ اور انہیں علی پور سیداں کے کتب خانے کی زینت بنایا۔ آپ کے اس ذوق و شوق کی حضرت امیرِ ملت قدس سرہٗ بڑی قدر فرمایا کرتے تھے۔ کئی بار تحسین و آفرین کے کلمات ارشاد فرمائے۔ ایک بار فرمایا کہ

"لوگ ایسے تبرکات خریدتے ہیں جو فنا ہو جاتے ہیں۔ صاحبزادہ نے ایسی چیزیں خریدی ہیں جن کو بقا ہے۔"

حضرت امیرِ ملت قدس سرہٗ نے کتابوں کی کثرت دیکھ کر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

"صاحبزادہ نے مکہ شریف کے تمام کتب خانے خرید لیے ہیں۔"

آپ کو فتویٰ نویسی میں خاص مہارت حاصل تھی۔ آپ کے صاحبزادے جوہرِ ملت

حضرت پیر سید اختر حسین شاہ صاحبؒ (ف ۱۹۸۰ء) اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "سیرت امیرِ ملّت" میں رقمطراز ہیں کہ :

"آپ مشکل سے مشکل مسائل پر قلم برداشتہ فتوٰی لکھ دیتے تھے۔ حدیث و فقہ کی کتابوں پر ایسا عبور حاصل تھا کہ آپ کے فتوے قوی اور مضبوط دلائل اور حوالہ جات سے مزیّن ہوتے تھے، "علم الفرائض" بہت مشکل چیز ہے مگر آپ کو اس میں بھی کامل مہارت حاصل تھی۔ "میراث" کے مسائل کا جواب برجستہ دیتے اور "ترکہ" کی تقسیم کے معاملات مدلّل طور پر قرآن و حدیث کی روشنی میں فوراً حل فرما دیتے تھے"۔

ایک بار آپ کلکتہ تشریف لے گئے۔ وہاں اس وقت طلاق کے ایک مسئلہ نے سب کو پریشان کر رکھا تھا۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ "اگر تو نے ہنڈیا چاٹی تو تجھ پر طلاق"۔ مفتیوں سے رجوع کیا گیا۔ تو سب نے کہا کہ اس کی بیوی کو طلاق ہوگئی۔ اُس شخص نے آپ سے رُجوع کیا۔ آپ نے اس کی بیوی سے دریافت فرمایا کہ "تم نے ہنڈیا کس طرح چاٹی ہے؟" اس نے جواب دیا، "یوں اُنگلیوں سے پُونچھ پُونچھ کر"۔ آپ نے ارشاد کیا، "جا! تجھ کو طلاق نہیں ہوئی تو نے اپنی اُنگلی چاٹی ہے، ہنڈیا نہیں چاٹی"۔ کلکتہ کے تمام علماء آپ کی فراست و ذہانت پر انگشت بدنداں رہ گئے"۔

آپ جتنے جلیل القدر عالم تھے، اتنے ہی پابندیٔ شریعت اور اتباعِ سنّت کے عامل تھے ـــ شب بیداری، تہجد گزاری اور آہ و زاری تو اُن کا معمول تھا۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو رگ رگ میں سمایا ہوا تھا۔ راقم الحروف نے بچشم خود بارہا نامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور نعتیں سُنتے ہوئے انہیں جھُومتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہمارے غریب خانہ پر آپ نے کئی دفعہ قدوم میمنت لزوم فرمایا۔ میرے جدامجد مہر جیون بخش

نقشبندی مجددی جماعتیؒ (ف ۲۰ اپریل ۱۹۶۶ء) جن کو حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کی غلامی کا شرف حاصل تھا، آپ کے عاشقِ زار تھے اور آپ کی خاطر و مدارات میں کوئی کمی نہیں آنے دیتے تھے۔ ہمارے غریب خانہ پر میلاد کی محفلیں، مجالسِ نعت خوانی اور حضرتِ امیرِ ملّت قدس سرہ کے عرس کی تقریبات منعقد ہوتیں تو آپ کا صوفیانہ وعظ حاضرین کو بے حد متاثر کرتا تھا۔ تحمّل و بردباری اور شفقت تو آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی طبیعت میں بڑی سادگی تھی۔ جس کا اظہار لباس اور غذا وغیرہ سے ہوتا تھا۔ آپ صحیح معنوں میں درویشِ خدامست تھے۔

آپ نے حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کی زیرِ قیادت تمام دینی، ملّی، مذہبی اور سیاسی تحریکوں میں بھی حصہ لیا۔ انجمن خدام الصوفیہ، فتنۂ ارتداد، تحریکِ خلافت، سارداایکٹ، تحریکِ کشمیر، تحریکِ شہید گنج، تحریکِ پاکستان اور دیگر تحریکوں میں بھرپور کردار ادا کیا۔ فتنۂ ارتداد کے زمانہ میں عرصہ تک آگرہ میں رونق افروز رہے اور ارد گرد کے علاقوں میں تبلیغ کر کے ہندوؤں کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملایا۔ تحریکِ شہید گنج میں بڑی جانفشانی سے کام کیا اور اُس تاریخی جلوس میں نمایاں طور پر حصہ لیا جو حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کی زیرِ قیادت ۸ نومبر ۱۹۳۵ء کو بادشاہی مسجد لاہور سے ننگی تلواروں کے ساتھ نکلا تھا اور جس سے انگریز حکومت کے اوسان خطا ہوگئے تھے۔

تحریکِ پاکستان کا دَور آیا تو حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ، اپنے صاحبزادوں اور عقیدت مندوں کے ساتھ میدان میں نکل آئے۔ حضرت سراج الملّت رحمۃ اللہ علیہ نے رات دن ایک کر کے مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں یارانِ طریقت اور عامۃ المسلمین کو میدانِ عمل میں لا کھڑا کیا۔ ۱۹۴۶ء کے تاریخی الیکشن میں ضلع رُہتک (حال مشرقی پنجاب، انڈیا) میں مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت میں دل کھول کر کام کیا۔ پھر فیروزپور میں نواب افتخار حسین ممدوٹ (ف ۱۹۶۹ء) کے حلقہ میں اس خوبی سے کام کیا کہ مخالفین بھی عش عش

کر اُٹھے۔ ازاں بعد قصور میں میاں افتخار الدین (ف ۱۹۶۲ء) کے حلقہ میں بھرپور کام کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ آپ کے تینوں امیدوار غالب اکثریت سے کامیاب و کامران ہوئے۔

اس سے قبل جب ۲۴ نومبر ۱۹۴۵ء کو حضرت پیر امین الحسنات المعروف پیر صاحب مانکی شریفؒ (ف ۱۹۶۰ء) نے مانکی شریف (تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور صوبہ سرحد) میں حضرت قائد اعظمؒ کی ایک شاندار دعوت کی تو ایک عدیم المثال جلسۂ عام کا انعقاد بھی کیا۔ حضرت امیر ملت قدس سرہ کی خدمت میں جلسہ کی صدارت کے لیے درخواست کی گئی مگر حضرت ناسازیٔ طبع کے باعث تشریف نہ لیجا سکے۔ اور اپنی جگہ حضرت سراج الملتؒ کو قائد اعظم کے لیے سونے کا ایک تمغہ، تین سو روپے کی ایک تھیلی اور کئی دوسرے تحائف دے کر بھیجا۔

پیر صاحب مانکی شریفؒ نے حضرت سراج الملتؒ کی بڑی عزت افزائی کی اور جلسہ کی صدارت آپ کے سپرد کی۔ جب قائد اعظمؒ جلسہ گاہ میں آئے تو حضرت سراج الملت آگے بڑھے اور سونے کا تمغہ (جس پر کلمہ طیبہ کندہ تھا) قائد اعظمؒ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ

"میرے والد ماجد (حضرت امیر ملتؒ) نے یہ تمغہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔"

یہ سن کر قائد اعظمؒ بہت خوش ہوئے، کرسی سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور سینہ تان کر کہا:

"پھر تو میں کامیاب ہوں، آپ تمغہ میرے سینے پر آویزاں کیجیے۔"

اس پر مسلم لیگی کارکن ملک شاد محمد نے آگے بڑھ کر حضرت سراج الملتؒ کے ہاتھ سے تمغہ لیا اور قائد اعظمؒ کی شیروانی کی بائیں طرف سینے پر ٹانک دیا۔ قائد اعظم نے

مسکرا کر شکریہ ادا کیا اور بیٹھ گئے۔

حضرت امیر ملتؒ قدس سرہ کی داد و دہش کی داستانیں تو زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ عرب کے لوگ اُنہیں "ابو العرب" کہتے تھے۔ آپ بھی اُن کی طرح بڑے سخی اور جواد تھے۔ یتیموں اور بیوہ عورتوں کی خاص طور پر خبر گیری فرماتے تھے۔ مدرسہ کے طلباء کی ہر قسم کی ضروریات کا اہتمام فرماتے۔ ان تمام کاموں پر جو روپیہ صرف ہوتا، اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہ ہوتا۔

ایک دفعہ آپ، حضرت امیر ملت قدس سرہ، کی معیت میں حج بیت اللہ و زیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گئے ہوئے تھے۔ مدینہ منورہ میں ایک دن حضرت امیر ملتؒ نے حضرت مولانا محمد ضیاء الدین مدنیؒ (ف ۱۹۸۱ء) سے دریافت کیا کہ آپ نے صاحبزادہ سے ملاقات کی؟ انہوں نے جواب دیا، "جی ہاں! ملاقات ہوئی ہیں اُن سے مل کر بہت خوش ہوا ہوں۔ وہ بڑے عالم اور فاضل ہیں۔ آپ کے صحیح جانشین ہوں گے۔" حضرت امیر ملتؒ نے فرمایا:

"مولانا صاحب! بعض باتوں میں تو وہ مجھ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ میں کسی کو کچھ دیتا ہوں تو لوگ ایک کے چار کر کے بتاتے ہیں، مگر وہ دائیں ہاتھ سے دیتا ہے تو بائیں کو خبر نہیں ہونے دیتا۔"

آپ کی تقریر بہت دلپذیر اور پُر اثر ہوا کرتی تھی۔ دقیق سے دقیق مسائل کو بھی آناً فاناً حل فرما دیتے تھے۔ آپ کی شیریں کلامی سے غیر بھی کھنچے چلے آتے تھے۔ وعظ میں عموماً ترکِ دنیا، سعیٔ عمل اور تصوف کی باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ ہمیں بارہا آپ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ خوراک بہت سادہ پسند فرماتے تھے۔ اُبلے ہوئے چاول اور سادہ گوشت بہت پسند فرماتے تھے۔ سُنتِ نبویﷺ کے مطابق کدو خصوصی طور پر مرغوب تھا۔

آپ کا لباس سفید ہوتا تھا۔ کُرتہ بہت کُھلا (اکثر و بیشتر چکن کا کپڑا استعمال فرماتے تھے۔) سفر میں سفید شلوار حضر میں سفید چادر۔ سر پر سفید پگڑی، پاؤں میں کھُستہ، ہاتھ میں عصا۔ آپ والدگرامی کے مظہرِ اتم تھے۔ چہرہ پر نور، جسے دیکھ کر خدا یاد آجاتا تھا۔ گفتگو فقیروں جیسی، چال شہنشاہوں جیسی، نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو۔ سخاوت میں اپنے وقت کے حاتم طائی تھے۔ اخیر عمر میں بصارت میں فرق آگیا تھا مگر صحت قابلِ رشک تھی۔ تہجد کی نماز کبھی قضا نہیں کی۔ اخیر عمر میں رات کا اکثر و بیشتر حصّہ بیدار رہتے تھے۔ عموماً نصف رات مطالعۂ کُتب اور حلِ مسائل میں صرف ہوتا تھا۔ بعد ازاں تھوڑا سا لیٹ کر تہجد پڑھتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد طلباء کو درسِ قرآن دیتے تھے۔

آپ تقریر و تدریس کے علاوہ میدانِ تحریر کے بھی شاہسوار تھے۔ ماہنامہ "انوارالصوفیہ" لاہور، سیال کوٹ، قصور) میں آپ کے گرانقدر مضامین زیورِ طبع سے آراستہ و پیراستہ ہو کر علماء و فضلاء سے خراجِ تحسین حاصل کرتے رہے۔ آپ نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں جن میں سے "افضل الرّسل" کئی بار منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو کر جامعیت اور انفرادیت کے لحاظ سے اپنی عظمت کا لوہا منوا چکی ہے۔

احباب و یارانِ طریقت کے نام آپ کے خطوط تصوّف، اسلامیات، تاریخ و تذکرہ اور اخلاق کا بہترین نمونہ ہوتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت اقدس ہمارے سامنے تشریف فرما کر گفتگو فرما رہے ہیں۔ ذیل میں استاذی حکیم ملّت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری ثم لاہوری مدظلہٗ کے نام آپ کا ایک خط نقل کیا جاتا ہے۔ یہ خط حکیم صاحب قبلہ کے اُس خط کے جواب میں ہے جس میں انہوں نے آپ سے مولانا محمد عالم آسی امرتسریؒ (ف ۱۹۴۴ء) کے حالاتِ زندگی و دیگر کوائف دریافت کئے تھے۔ لیجیے اب وہ خط ملاحظہ فرمائیے!

علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ

۲۲ر اگست ۱۹۵۷ء

جنابِ حکیم صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مرحوم و مغفور مولانا مولوی محمد عالمؒ ذکی، ذہین ہونے کے علاوہ ادیب فاضل اور جامع منقول و معقول تھے۔ بہت ہی متدین، شریف الطبع انسان تھے۔ میں نے چند اسباق ان کے ساتھ حضرت مولانا غلام احمد صاحب حافظ آبادی (ف ۱۹۰۷ء) کی خدمت میں پڑھے ہیں۔ اس سے زیادہ میں ان کے متعلق نہیں جانتا۔ آپ کو دفترِ اخبار الفقیہ گوجرانوالہ سے اُن کے حالات مل سکتے ہیں۔ ایڈیٹر الفقیہ حکیم معراج الدین امرتسریؒ (ف ۱۹۴۸ء) کے لڑکے وہاں رہتے ہیں۔ مولانا محمد عالم مرحوم و مغفور نے (مولوی) ثناء اللہ وہابی کے خلاف رسالہ جات بھی تحریر کئے تھے۔ اِن کا پتہ بھی دفترِ الفقیہ سے ملے گا۔

فقط والسلام

سیّد محمد حسین علی پوری

آپ کی وفات حسرت آیات ۶ر جمادی الاوّل ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۶ر اکتوبر ۱۹۶۱ء بروز پیر وار بوقت ساڑھے پانچ بجے شام بعمر شریف تراسی (۸۳) سال ۱۲ یوم ہوئی۔ نمازِ جنازہ حضرت خواجہ محمد شفیع سجادہ نشین چورہ شریف ضلع اٹک (ف ۱۹۶۶ء) نے پڑھائی اور حضرت امیرِ ملّت قدس سرہٗ، کے پہلو مبارک میں سپردِ خاک کئے گئے ؎

عمرہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات

تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

آپ کی رحلت پر متعدد شعرائے کرام نے تاریخی قطعات کہے ہیں۔ چند ایک

درج ذیل ہیں :-

(۱) (از حضرت مولانا محمد یعقوب حسین ضیاءؔ القادری بدایونی ــــــ کراچی)

راہی ہوئے بہشتِ بریں کو بزارِ حیف　　بزمِ جہاں سے آج محمد حسین شاہؒ
نورِ نگاہ پیر جماعت علی تھے آپ　　تھے آپ شیخِ کامل و اکمل خدا گواہ
تھے نقشبندیوں کے عظیم الشرف بزرگ　　بے مثل تھے جہاں میں باندازۂ نگاہ
بعد از وصال اُن کی خدا مغفرت کرے　　شبلِ جہاں جناں میں بھی زائد ہو عزّ و جاہ

سالِ وصال کہیے ضیاؔ آنجناب کی
جنّت نصیب میر محمد حسین شاہ

ــــــ ۱۳۸۱ھ ــــــ

(۲) (از صوفی مسعود احمد رہبرؔ چشتی کشمیری ضیائی ــــــ کراچی)

گئے خُلد میں ہم سے ہو کر وہ رخصت　　تھی جن کی مسلّم زمانہ میں عظمت!
جُدائی قیامت سے کیا کم ہے اُنکی　　وہ وجہِ سکوں تھے، وہ تھے دل کی راحت
سُنائیں کسے حالِ دل اپنا اپنا　　ہیں صرفِ الم آج اہلِ عقیدت!

کہو عیسوی سن میں تاریخ رہبرؔ
"گیا مہرِ تاباں امیرِ شریعت"

ــــــ ۱۹۶۱ء ــــــ

آپ کی کرامات بے شمار ہیں۔ ذیل میں صرف اُن کرامات کا ذکر کیا جا رہا ہے جو راقم الحروف کی چشم دید ہیں :-

۱۔ ایک دفعہ حضرت سراج الملتؒ ہمارے غریب خانہ میں جلوہ افروز تھے۔ میری والدہ ماجدہ اور ایک عورت مائی بی بی رانی مرحومہ نے آپ کے کپڑے مبارک دھوئے۔ اب سوال پیدا ہوا کہ پانی کہاں بہایا جائے کیونکہ کپڑے دھونے کے بعد پانی کو یُوں

ہی بہا دینا بے ادبی تھی۔ ہمارے گھر کے صحن میں ایک کیکر کا درخت تھا جو بالکل سُوکھ چکا تھا۔ چنانچہ ہم نے وہ پانی دَور بنا کر کیکر کی جڑوں میں ڈال دیا۔ دوسرے دن صبح یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سُوکھے کیکر کے درخت نے کونپلیں نکالی ہوئی تھیں اور چند دن بعد ہرا بھرا ہو گیا۔ اللہ اکبر! کیا شان تھی میرے پیر و مُرشد کی۔

۲۔ اسی طرح ایک مرتبہ پھر حضرت سراج الملتؒ ہمارے ہاں فروکش تھے۔ ایک پیر بھائی محمد اسمٰعیل حجام مرحوم نے آپ کی دعوت کی۔ جب آپ دعوت کھانے کے لیے بمعہ یارانِ طریقت تشریف لے گئے تو وہ کثیر تعداد دیکھ کر گھبرا گیا۔ آپ نے اپنا رُومال دیگ کے منہ پر ڈلوا کر کھانا تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام حاضرین نے سیر ہو کر کھانا لیکن پھر بھی کافی بچ رہا۔

نگاہِ ولی میں یہ تاثیر دیکھی　　بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

۳۔ ایک دفعہ ہمارے گاؤں دبُرج کلاں ضلع قصور) میں بہت سے آدمیوں اور مویشیوں کو باؤلے کُتے نے کاٹ کھایا۔ اتفاق سے حضرت اقدس ہمارے ہاں تشریف فرما تھے۔ لوگوں نے فوراً حاضر ہو کر دَم کروایا اور صحت یاب ہو گئے۔ مگر ایک شخص اللہ بخش گمہار کا لڑکا محمد دین دَم نہ کروا سکا تو وہ باؤلا ہو کر مر گیا۔

ارشاداتِ قُدسیہ

۱۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع جُملہ کمالات کا سرچشمہ ہے۔
۲۔ زنا اور بدکاری، خرابی و بربادی کا باعث ہے۔
۳۔ صالح ماں باپ کا صدقہ اس کی اولاد کی سات پُشتوں تک حفاظت کرتا ہے۔
۴۔ قرآن شریف کی عزّت و حرمت تمام سماوی اور غیر سماوی کتابوں سے بہت زیادہ ہے۔
۵۔ ایمان کے بعد نجات کا انحصار اعمالِ صالح پر ہے۔

۶۔ ادب، فرائض وواجبات وسنن ومحرمات وحدود اللہ واحکامِ شرعیہ الٰہیہ کے مطابق عمل کرنے کا نام ہے۔

۷۔ حضور نبیٔ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم وتوقیر کے بغیر نجات ناممکن ہے، اگرچہ کتنا ہی عابد وزاہد ہو۔

۸۔ درود شریف، اللہ تعالیٰ کی رحمت پانے کا ذریعہ ہے۔

۹۔ جو کوئی حضور نبیٔ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف بہت زیادہ پڑھتا ہے، اُس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت محبت ہو جاتی ہے اور قیامت کے دن وہ سب سے زیادہ آپ کے قریب ہوگا۔

۱۰۔ محبوب کی یاد اس کے دیکھنے کے قائم مقام ہے۔ اگر محبوب نظر نہ آئے تو اس کی یاد سے غافل نہ رہو، کیونکہ ؎ ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

۱۱۔ زبان کی حفاظت کرو۔ اگر اس کو ذکرِ خدا اور نیک باتوں میں لگاؤ گے تو ثواب پاؤ گے، جس کی بے حد ضرورت ہے۔ اور اگر اس کو لغو اور بے ہودہ باتوں میں چلاؤ گے، تو خسارہ اٹھاؤ گے۔

۱۲۔ زبان دل کی ترجمان ہے۔ جس طرح دل کا پاک رکھنا واجب ہے، اسی طرح زبان کا پاک رکھنا بھی واجب ہے۔

۱۳۔ صحبتِ صالحین، اخلاق واحوال کے تبدیل کرنے کے لیے اکسیرِ اعظم ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو نیکوں کی صحبت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہے۔

۱۴۔ بزرگ وہ ہے جو اپنے استاد اور شیخ کی قدر ومنزلت اور اس کے احسان کو جان کر اس کی تعظیم میں کوتاہی نہ کرے۔

۱۵۔ جو شریعت کا پابند نہیں، اگرچہ اُس سے خوارقِ عادات کا بکثرت ظہور ہو، ولی نہیں ہے۔ کیونکہ ولایت کی بنا اتباعِ سنت پر ہے، کرامات پر نہیں۔

۱۶۔ اہلِ سنّت وجماعت کا طریق ہی طریقِ حق ہے۔

۱۷۔ نمازِ تہجد پر مداومت کرنی چاہیے، جو فیوضات اس سے حاصل ہوتے ہیں، وہ کسی دوسری چیز سے حاصل نہیں ہوتے۔

۱۸۔ تحمّل وبردباری اللہ کے نیک بندوں کا شیوہ ہے۔

۱۹۔ دین کا علم بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے حصول میں کوشش کرنی بہت بڑا جہاد ہے۔

۲۰۔ قصیدہ بُردہ اور قصیدہ بانت سعاد بڑی متبرک کتابیں ہیں۔

جمالِ نظر

از : جناب قمر یزدانی ۔ پنوانہ (سیالکوٹ)

حسن وجمالِ ماطغیٰ ہے "افضل الرسل"
شرحِ کمالِ قدرائی ہے "افضل الرسل"

شرحِ منیرِ آیۂ تلک الرسل ہے یہ
نعتِ رسولؐ دوسرا ہے "افضل الرسل"

آئینۂ جمالِ محمدؐ ہے یہ کتاب
تنویرِ حسنِ مصطفےٰؐ ہے "افضل الرسل"

سرمایۂ مسرتِ اربابِ عشق ہے
نورِ نگاہِ اصفیاء ہے "افضل الرسل"

تحریرِ نوربیز ہے شرحِ بیانِ حق
گویا خزینہ نور کا ہے "افضل الرسل"

حاصل ہیں جس سے قلب و نظر کو لطافتیں
وہ نسخۂ حیات زا ہے "افضل الرسل"

ظاہر ہے شانِ معنئ طٰہٰ بخطِ نور!!
عکسِ جمالِ مجتبےٰؐ ہے "افضل الرسل"

ہر لفظ اس کا مظہرِ والشمس بیگماں
واللہ ثنائے مصطفےٰؐ ہے "افضل الرسل"

دل ہے فروغِ حسنِ معانی سے تابدار
تفسیرِ لفظِ والضحیٰ ہے "افضل الرسل"

حاصل ہے اس سے دولتِ ایمان و آگہی
یعنی متاعِ بے بہا ہے "افضل الرسل"

پائیں گے جس سے اہلِ وفا منزلِ مراد
وہ شمعِ جادۂ ہدیٰ ہے "افضل الرسل"

وابستہ جس سے فکر و نظر کی ہے آبرو
وہ اک مرقعِ علم ہے "افضل الرسل"

تسکین فزائے قلب "جمالِ نظر" ہے یہ
دلکش، حسین و خوشنما ہے "افضل الرسل"

پتھر کو بھی گہر کرے جس کا اثر قمرؔ!
وہ اک دوائے کیمیا ہے "افضل الرسل"

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الَّذِیْ اخْتَارَ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَلْقِ اَجْمَعِیْنَ وَ اَرْسَلَہٗ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَجَعَلَ مِنْ جُمْلَۃِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ اِذَا اَخَذَ عَلَیْہِمُ الْمِیْثَاقَ بِالْاِیْمَانِ بِہٖ وَبِنُصْرَتِہٖ قَالَ اَشْہَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْہِمْ وَعَلٰی اٰلِہِمْ وَصَحْبِہِمْ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَہُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد یہ خاکسار برادرانِ اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ شرافتِ علم باعتبارِ شرافتِ موضوعِ علم ہے ۔ جس قدر اوصافِ جلیلہ و محاسنِ علیہ سے موضوع موصوف ہوگا، اسی قدر علم دوسرے علوم کی نسبت ممتاز ہوگا۔ اسی قاعدے کو پیشِ نظر رکھ کر علمِ کلام والے علمِ کلام کو سب سے افضل اور اعلیٰ قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کا موضوع ذاتِ باری و صفاتِ باری ہے، علم فصاحت و بلاغت کے خوشہ چین اپنی کتابوں میں اس علم کو دوسرے علوم سے ممتاز شمار کرتے ہیں کیونکہ اس کا موضوع کتابِ الٰہی قرآن مجید ہے ۔ اسی طرح مختلف علوم کے ماہرین اپنے علم کو افضل قرار دینے کے لیے اس کے موضوع کی تعریف و توصیف میں مشغول ہو کر افراط سے کام لیتے ہیں تاکہ یہ علوم باقی علوم پر فوقیت کا درجہ رکھیں اور محصلین اس میں بوجہ رغبت خوب جد و جہد سے کام لیں ۔ نفس الامر میں غور سے دیکھا جائے تو شرافتِ علم شرافتِ موضوع پر ہی موقوف ہے ۔ اسی بنا پر ہم جس قدر اس مبحث خاص پر

فخر کریں، بجا اور جس قدر ناز کریں درست ہے کیونکہ ہمارے مضمون کا موضوع اَفضلُ الرُّسُل محبوبِ خدا، والیِ کون و مکاں، باعثِ خلقِ دو جہاں، شافعِ الجن و الانسان، منبعِ الکمالات، جامعِ علوم لدُنّی، واقفِ رموزِ سبحانی، پیارا نبی امّی لقب صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی ذاتِ مجتمعِ کمالات کی تعریف و توصیف میں زبان کو ناطق کرنا اور پھر کماحقہٗ، اس کی ذاتِ لامحدود اور صفاتِ نامتناہیہ پر حاوی ہونا مطابق قرآن شریف بشری طاقت سے باہر ہے تو بھلا پھر اُس کے محبوب کی شان میں زبان کو گویا کر کے یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس کی مدح سرائی کا حق کماحقہٗ، ادا کریں گے کیونکہ وہ احکم الحاکمین کا حبیب اور اوصافِ جمیلہ سے موصوف اور اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (حدیث) (اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نُور کو پیدا کیا) سے مزیّن اور "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" سے ملقب اور ہم جو کہ سیّئات و خطئیات کا نمونہ، ہمارے علوم ناقص، ہماری ہمتیں قاصر اور علم فانی اور ہم فانی، کس طرح اس فرض کو ادا کر سکتے ہیں۔ غرضیکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف لکھنے کے لیے دنیا کے سمندر سیاہی بن جاویں اور درخت قلموں کا کام دیں، زمین و آسمان سے قرطاس کا کام لیا جائے، جن و انسان اور ملائکہ کاتب مقرر کئے جاویں تو پھر بھی مدح و ثنا در تکمیل کو نہیں پہنچتی ؎

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَہٗ
حَدٌّ فَیُعْرِبُ عَنْہُ نَاطِقٌ بِفَمٖ
(بوصیری رح)

(کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بزرگی کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے، جس کو بولنے والا بیان کر سکے۔)

حبیبِ خدا کے فضائل و محاسن کا جمع کرنا انسانی طاقت سے کیوں بالاتر نہ ہو جبکہ آپ سید الاولین والآخرین، رُوح الموجودات، صاحب لواء الحمد اور ازل میں نبی ہونے کا علم قدرت کی طرف سے حاصل کئے ہوئے ہیں اور تمام پیغمبرانِ خدا کو جو کچھ خداوند جل جلالہٗ سے مرتبے اور درجے عنایت ہوئے ہیں، سب انہی کے ذریعے ملے ہیں اور ان سے

جس قدر مصائب و تکالیف رفع ہوئی ہیں، سب اُنہی کے وسیلہ سے اور ان کو جو کچھ انعامات و خطابات بارگاہِ ایزدی سے میسّر ہوئے ہیں اور ہوں گے وہ سب میرے مولا محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل ہیں۔ غرض جدھر نظرِ دقیق سے کام لے کر دیکھو اسی ذات کے انوار و برکات، محاسن و فضائل، اخلاق و خصائل نظر آ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ شمس و قمر، وحوش و طیور آپ کے تابع اور ان کی ہستی آپ کے نور کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ احجار و اشجار، ارض و سما آپ کے زیرِ فرمان اور ان کی ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل ہے۔

باوجود اس امر کے ہم کو قطعی علم ہے کہ ہم سے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (پارہ ۲۹ سورہ القلم: ۴) "بے شک آپ اعلیٰ اخلاق پر فائز ہیں" کے اوصافِ جلیلہ کا شمہ بھی بیان نہیں ہو سکتا لیکن پھر بھی ہماری طبیعت کو چین نہیں آتا جب تک کہ ہم بھی اپنی ہمت قاصر کے مطابق پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گیت گا کر اپنے زبان و دل کو پاک کر کے فلاح حاصل نہ کر لیں کیونکہ منبعِ اخلاق حمیدہ، معدنِ اوصافِ برگزیدہ کے حق میں جب خود احکم الحاکمین بار بار اپنی مختلف کتب میں مدح سرائی فرما رہا ہے اور اُس کے برگزیدہ پیغمبر اس کی صفت و ثنا میں دن رات زبان و دل کو معطّر کر کے اُس کی اُمّت میں شامل ہونے کی تمنا اور آرزو کرتے ہوئے واصل باللہ ہو گئے اور اکابر عارفین و ائمہ دین اپنی اپنی ہمت کے مطابق پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا راگ گا کر حیاتِ جاودانی حاصل کر چکے ہیں تو پھر اگر ہم بھی تقلیداً اس طریقِ سابق پر چل کر اپنے لیے فلاح حاصل نہ کریں تو ہمارے لیے ضرور افسوس ہوگا۔

ناظرین! باریک بینی سے کام لیا جائے تو ہر نوع کے افراد میں بعض افراد ایسے نظر آئیں گے جو دوسروں کی صفات و فضائل میں کامل و افضل ہوں گے اور ان میں وہ خوبیاں اور محاسن جمع ہوں گے جس سے اس کے رفیق عاری و خالی ہوں گے۔ باغات کا ملاحظہ کیجئے تو ایک، دوسرے سے اعلیٰ ہے اور تیسرا، دوسرے سے باعتبار اپنی خوبی و رونق

کے زیادہ خوشنما ہے۔ علیٰ ھذا القیاس اشجار و اثمار کا مطالعہ کیجئے تو ہر ایک اپنے ماتحت کی نسبت اعلیٰ اور اپنے مافوق کی نسبت ادنیٰ ظاہر ہوگا۔ حیوانات و چرند پرند کی طرف خیال کیا جائے تو اس جگہ بھی اوصافِ حمیدہ و محاسن میں کمی و زیادتی معلوم ہوگی۔ ملبوسات، مطعومات و مشروبات کا احساس کیا جائے تو قوتِ حاسہ یہاں بھی ہر ایک کو اس کے محاسن کی کمی و زیادتی کے باعث ممتاز کر دے گی۔ مشمومات و مسموعات میں فکر کو دوڑایا جائے تو وہاں بھی قوتِ حاسہ کا گھوڑا ایک کو دوسرے پر ترجیح دے گا۔ مبصرات میں بصرِ روشن و قتِ نظر سے کام لے تو وہاں بھی یہی فرق محسوس ہوگا۔ غرض جہاں تک چلے جاؤ ہر ایک مخلوق میں ادنیٰ و اعلیٰ، فاضل و افضل کی نسبت، صاف طور پر دکھائی دے گی۔

عیاناً جب یہ ثابت ہوگیا کہ ہر ایک حادث اپنی جنس کے اعتبار سے باعتبارِ محاسن و اوصافِ حسنہ و خصائل برگزیدہ ایک خاص تمیز کا درجہ رکھتا ہے تو بھلا اب یہ کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ سب مخلوق درجہ و رتبہ میں برابر ہے۔ اور سب مرسل مراتب و فضائل میں مساوی ہیں حالانکہ صریح ارشادِ خداوندی،

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔
(پارہ ۳ سورہ بقرہ رکوع ۳۳ آیت: ۲۵۳)

"یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا" (یعنی ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے)۔

اور

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلٰى بَعْضٍ۔

"اور بے شک ہم نے نبیوں میں ایک کو ایک پر بڑائی دی۔"

(پارہ ۱۵ بنی اسرائیل: ۵۵)

کتابِ کریم میں اختلافِ شرافت و فضیلت کا حکم سنا رہا ہے لیکن بعض جہلاء باوجود آیاتِ شریفہ سابقہ، الاپتے رہتے ہیں کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی صرف اتنی ہے جتنی بڑے

بھائی کی بزرگی چھوٹے پر ہوتی ہے۔ یہ ان کی کم فہمی کا نتیجہ ہے۔

یہ امر یقینی ہے کہ خداوند تعالیٰ جل جلالہٗ کی مخلوق باعتبارِ معرفتِ الٰہی و جلالِ خداوندی مختلف ہے، جس قدر معرفت میں کمی و زیادتی ہوگی اسی قدر عبودیت میں تفاوت ہوگا یعنی جس میں بعد از معرفتِ کاملہ عبودیتِ کاملہ متحقق ہوگی وہی سب سے بڑھ کر بلحاظ فضل و کرم اعلیٰ ہوگا۔

نفسِ عبودیت میں تو رسلِ عظام و انبیائے کرام و ملائکہ و اولیائے امت و مومنین، موحدین، متقی و پرہیزگار، سب مساوی ہیں، ہاں باعتبارِ مراتب، سب میں فرق ہے۔ حضرت رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفتِ عظمتِ الٰہی و جلالِ خداوندی سب مخلوق سے اعلیٰ تھی اور آپ ذات اور صفاتِ الٰہیہ کی پہچان میں سب سے فائق تھے، اس لیے آپ عبدِ کامل بن کر مراتب و فضائل میں سب سے سبقت لے گئے ہیں، باقی انبیاءِ کرام کی معرفتِ خداوندی اس درجہ کی نہ تھی جس قدر ہمارے پیارے نبی اُمّی لقب سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اس لیے وہ مرتبہ و درجہ میں بھی متاخر ہیں۔ ملائکہ خاص و عام و اولیائے کرام و مومنین و موحدین کی معرفتِ الٰہی میں تفاوت ہونے کے باعث عارفوں کے مراتب میں بھی مطابقِ شریعت فرق ہے۔ سب سے ادنیٰ درجہ کی عبودیت کفار کی ہے جو کہ شرک و کفر میں ملوث ہیں۔

نصاریٰ تو عباد المسیح ہوگئے، یہود عباد العزیرؑ بن گئے، کفار و مشرکین عباد الاصنام ہوگئے لیکن اُن کی زبانِ حال خود اُن کی تکذیب کر رہی ہے۔ اس عبودیتِ ناقصہ کے سبب یہ مشرکین اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط (پارہ ۹ سورۃ الاعراف: ۱۷۹) (وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہیں) کا لباس پہن کر رسوا اور ذلیل ہو رہے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جس قدر وصفِ عبودیت میں کمی و زیادتی ہوگی اُسی قدر شرافت و فضل میں تفاوت ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر قربان جائیے کہ اُس نے اپنے پیارے

حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدِ کامل و انسانِ کامل بنانے کے لیے یہاں تک مہربانی فرمائی کہ آپؐ کی اُمت نے آپؐ کو اب تک اِلٰہ کا نام نہیں دیا ہے حالانکہ آپؐ کی اُمت کو آپؐ کے ساتھ اُمم سابقہ کی محبت سے ہزار گنا زیادہ محبت ہے اور انبیاء کرام کی نسبت آپؐ میں ہزار ہا کمالات و معجزات و فضائل زائد موجود ہیں جس طرح کہ بعض کم فہم نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اور یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کے لیے اور بعض مفرط شیعوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اِلٰہ کا نام تجویز کیا ہوا ہے۔

غرض خداوند تعالیٰ مولا کریم نے اپنے پیارے نبی کو اُلوہیت کی ہوا تک سے محفوظ فرما کر روزِ روشن کی طرح ثابت کر دکھلایا ہے کہ عبودیت کاملہ و انسانیت فاضلہ کا تحقق صرف ایک ہی فردِ خاص میں ہے جس کا پیارا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور وہی شرافتِ علیہ و فضیلتِ خاصہ کا مورد ہے جس کا پیارا ذکر احمد کے نام سے انجیل و توراۃ میں ہے ؎

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِيْ نَبِيِّهِمْ
وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ وَاحْتَكِمِ
فَانْسُبْ اِلٰى ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ
وَانْسُبْ اِلٰى قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٍ

(ترجمہ) جو کچھ نصاریٰ نے اپنے پیغمبر (عیسیٰ علیہ السلام) کی نسبت ادعا کیا اس کو چھوڑ دے باقی جو تیرا جی چاہے کر۔ بحالتِ مدح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلتوں کو بیان کر اور اچھی طرح بیان کر۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مقدس کی طرف جس کمال کو تو چاہتا ہے، اور آپ کے رتبہ کے متعلق جس بزرگی کو چاہے منسوب کر۔

صاحبِ قصیدہ بُردہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف و توصیف بیان کرنے کے لیے اور آپؐ کے مناقب و مناصب ظاہر کرنے کے لیے اور آپؐ کے محاسن و فضائل پیش کرنے کے لیے اور آپؐ کی مدح و ثنا کا اظہار کرنے کے لیے اے مخاطب! جس طرح تجھ سے ہو سکے کر، لیکن نصاریٰ کی طرح کہیں حضرت محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اُلوہیت سے موصوف نہ کرنا کیونکہ اس سے بڑھ کر اور کوئی جُرم نہیں اور اسی کا نام شرک ہے۔

بشر کے ملائکہ سے افضل ہونے کا بیان

کُتبِ عقائدِ اہلِ سنت و جماعت میں مرقوم ہے کہ عامۂ مومنین، عام ملائکہ سے افضل ہیں اور خواصِ مومنین، خواصِ ملائکہ سے افضل ہیں اور رُسلِ البشر، رُسلِ ملائکہ سے اعلیٰ ہیں۔ اس پر انہوں نے بہت سے دلائل پیش کئے ہیں لیکن بندہ بوجہ اختصار چار پر ہی اکتفا کرتا ہے۔ غور سے سُنیے:-

دلیلِ اوّل

خداوند تعالیٰ عزاسمہ و جل برہانہ نے جس وقت حضرت آدم علیہ السلام ابو الانبیاء کو اپنے یدِ قدرت سے پیدا کیا تو تمام ملائکہ مقربین و غیر مقربین سے حکماً علیٰ وجہ التعظیم والتکریم حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا۔ سبھی نے حکم کی تعمیل کر کے فلاح حاصل کی مگر شیطان مردودِ ازلی نے حکم ماننے سے انکار کیا اور یہ صاف ظاہر ہے اور حکمتِ بالغہ کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ ادنیٰ، اعلیٰ کو سجدہ کرے اور مفضول، افضل کی تعظیم و تکریم بجالائے یعنی ہمیشہ ادنیٰ کو حکم دیا جاتا ہے کہ اعلیٰ کی تعظیم بجالائے اور مفضول پر فرمان جاری کیا جاتا ہے کہ افضل کی تکریم کا حق ادا کرے، نہ کہ اس کا اُلٹ۔

دلیلِ دوم

اہلِ زبان عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (اور اُس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے۔ سورہ بقرہ: ۳۱) سے نکالتے ہیں

کہ اس کلام سے زیادتیٔ علمِ آدم علیہ السلام کا اظہار مقصود ہے جو مسجودِ ملائکہ ہونے کا باعث تھی اور اس سے مولیٰ کریم کو یہ منظور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ملائکہ سے افضل و اعلیٰ ہیں، اسی لیے دونوں کا امتحان لے کر ایک کو عالم و افضل قرار دیا، دوسرے کو مفضول و مغلوب جتا کر عام طور پر یہ شہرت دلادی کہ یہ اس کے مقابلہ میں کم علم ہیں۔

دلیلِ سوم

خدا تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں جو کہ انسان کی تمام ضروریاتِ دنیویہ و دینیہ کے احکام پر حاوی ہے، بایں الفاظ خبر دی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ۔

"خدا نے آدمؑ اور نوحؑ اور خاندانِ ابراہیمؑ اور خاندانِ عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا۔"

(پارہ ۳۔ سورہ آلِ عمران: ۳۳)

اور عالمین میں ملائکہ بھی شامل ہیں تو ثابت ہوگیا کہ رُسلِ بشر حضرت آدمؑ و نوحؑ و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب و یوسف و موسیٰ و ہارون و عیسیٰ و حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام سب، تمام ملائکہ سے افضل و برگزیدہ ہیں۔

دلیلِ چہارم

انسان کا فضائل و کمالاتِ علمیہ و عملیہ کو باوجود عوائقِ شہوت و غضب و حرص و کینہ و بغض وغیرہ کے حاصل کرنا نہایت ہی اَشق و اَصعب (مشکل اور سخت) ہے، جب انسان باوجود صدہا شواغل و صوارف کے عبادت و کسبِ کمالات و اخلاقِ حمیدہ میں مشغول رہتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ حضرت انسان اس جماعت سے فضیلت و بزرگی میں بڑھ کر ہے جس میں یہ موانع کمالات موجود نہیں بلکہ اس کی سرشت و طبیعت میں عبادت و طاعت کا ہی مادہ ہے نہ اور دیکھئے ایک آدمی کے پاس تمام ضروریاتِ تمدن کے علاوہ اتنا زر و مال موجود ہے کہ

اگر وہ تمام منہیاتِ شرعیہ کا مرتکب ہو تو وہ بغیر کسی مانع کے ہوسکتا ہے اور دوسرے کے پاس اتنا بھی سامان نہیں کہ وہ اپنے روزانہ حوائج کو کافی طور پر پورا کر سکے۔ اب اگر دوسرا فخر کرے کہ میں پہلے سے کمالات میں اعلیٰ ہوں اور فضائل و اخلاق میں برتر ہوں کیونکہ منہیات سے بچنا میری مرضی پر منحصر تھا تو یہ سراسر غلط ہے کیونکہ کمال فخر اس کو زیبا ہے جس کے پاس سامانِ لہو و لعب و اسبابِ عیش و طرب موجود تھے لیکن وہ محض خوشنودیٔ مولا و رضامندیٔ خدا تعالیٰ کو پیشِ نظر رکھ کر منہیات کے پاس نہ پھٹکا، نہ کہ اس دوسرے کے لیے جو ان تمام اسبابِ عیش و طرب سے خالی و عاری ہے۔ ایک شخص کی بصارت نہیں یا اس کے کان بہرے ہیں یا وہ مادر زاد عِنّین (نامرد) ہے اور دوسرے کے تمام حواس درست ہیں اور ہر طرح سے ہر ایک فعل پر قادر ہے۔ اب پہلا اگر یہ فخر کرے کہ میں نے کسی عورت کو بُری نظر سے نہیں دیکھا یا میں نے زندگی بھر کوئی بُرا کلمہ نہیں سُنا، یا میں نے کسی عورت سے ناجائز فعل نہیں کیا تو اس کا یہ فخر درست نہیں کیونکہ فخر و کمال اس شخص کا ہے جس نے باوجود حواسِ سلیمہ (درست حواس)، نہ کوئی بُرا کلمہ سُنا اور نہ کسی کو بُری نظر سے دیکھا، اسی طرح ملائکہ بھی اگرچہ معصوم ہیں لیکن یہ عصمت اُن کے لیے باعثِ فخر نہیں ہوسکتی کیونکہ اُن کی سرشت میں بُرائی و گناہ کا تخم نہیں، ہاں یہ فخر اُس وقت برمحل ہوتا کہ وہ بھی باوجود موانع و صوارف، حسد و بُخل و کینہ و بغض و غضب وغیرہ معصوم از گناہ رہتے۔ وَاِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ (جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں)۔

ان چار دلیلوں سے ثابت ہوگیا کہ ہمارے نبی و آقا حبیبِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ملائکہ سے افضل و برتر ہیں کیونکہ حضرت آدم و نوح و یعقوب و ابراہیم و اسحٰق وغیرھم علیہم الصلوات والتسلیمات ملائکہ سے بزرگ و اعلیٰ ہیں تو کیا فخرِ موجودات باعثِ کائنات سید الاوّلین والآخرین حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ

والسلام جن کے ذریعے سے سب حضراتِ رُسل کرام مناصبِ عالیہ پر ممتاز ہوئے ہیں، افضل نہیں ہوں گے!

علامہ رازی (امام فخرالدین رازیؒ) تفسیر کبیر میں تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ("یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے"۔ بقرہ: ۲۵۳) کے تحت لکھتے ہیں کہ تمام امّت کا اجماع ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آپس میں فاضل و مفضول کی نسبت رکھتے ہیں اور اس امر پہ اتفاق ہے کہ رسولِ مقبول سیّد الاوّلین والآخرین محبوبِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے امجد و اعظم (بہت بزرگ اور سب سے بڑے) ہیں۔

امّت کا یہ اجماع بغیر کسی حجّت و دلیل کے نہیں بلکہ اس پر اس نے کثرت سے دلائل پیش کئے ہیں، اختصار ہمیں اجازت نہیں دیتا کہ ہم سب کو آپ کے سامنے لا رکھیں لیکن ہم چند دلائل بیان کرتے ہیں جن سے واضح طور پر یہ ثابت ہوگا کہ محبوبِ خدا شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم جملہ رُسل و انبیاء سے افضل تھے، سُنیئے:

۱۔ قادرِ مطلق نے اپنی کتابِ محفوظ میں اپنے پیارے کی شان میں:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ "اور ہم نے آپ کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" (سورہ انبیاء: ۱۰۷)

ارشاد فرما کر واضح کر دیا ہے کہ حضور سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سب عوالم کے لیے رحمت ہیں۔ جب آپ سب کے لیے رحمتِ خداوندی ظاہر ہوئے تو لازم آیا کہ آپؐ ادنیٰ و اعلیٰ مخلوق میں سب سے افضل و برتر ہیں، خواہ مخلوق کا وجودِ ظاہری آپؐ سے مقدم ہو یا مؤخر!

۲۔ احکم الحاکمین نے فرقانِ حمید میں اپنے پیارے کی شان کا اظہار کرتے ہوئے:۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (سورہ الم نشرح: ۴) "اور ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا"۔

فرمایا ہے یعنی ہم نے تیرے ذکر کو اس طرح بلند کیا کہ کلمۂ شہادت و اذان و تشہد میں اپنے نام کے ساتھ تیرے اسم کو ملا کر عام طور پہ دعوت دے دی ہے کہ اس کا صبح و شام ورد کیا کرو۔ یہ رُتبہ باقی انبیاء کرام کو عنایت نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ آپ اس صفت میں سب سے سبقت لے کر سب سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (سورہ جمعہ: ۴) (یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے)

۳۔ خدا تعالیٰ جل جلالہ نے اپنی کتابِ مبین میں حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسی نعمت عنایت فرمائی ہے جو کسی اور نبی و مُرسل کو عطا نہیں کی یعنی حضرت کی اطاعت کو اپنی اطاعت، حضرت کی بیعت کو اپنی بیعت، حضرت کی رضا کو اپنی رضا اور حضرت کی عزّت کو اپنی عزّت ــــ مختلف آیاتِ شریفہ میں قرار دے کر ظاہر کر دیا ہے کہ موصوف بہذہ الصفات (مندرجہ بالا صفتوں سے موصوف ہے) ان حضرات سے درجہ و رُتبہ میں اعلیٰ ہے جو اس صفت سے خالی ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ عزّ اسمہٗ و جلّ بُرہانہٗ نے قرآن شریف اُتار کر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ کفار کو کہہ دو کہ اگر تم مجھ کو سچا رسول نہیں مانتے اور الٰہی کتاب کو میری خانہ ساز کتاب تصوّر کرتے ہو تو تم اپنے دعوے کی تصدیق کے لیے اس کتاب کی ایک چھوٹی سی سُورت جیسی سُورت بنالاؤ جو فصاحت، بلاغت، خوبیٔ ظاہری و باطنی میں اس کے مساوی ہو لیکن یہ یاد رکھو کہ اس جیسی سُورت قیامت تک تم سے تیار نہ ہو سکے گی خواہ تمام جن و انسان اپنا زور لگا کر اس کی تیاری میں مصروف ہوں اور ایک دوسرے کے سُورت بنانے میں مدد و معاون ہوں۔ قرآن شریف چھ ہزار سے زائد آیات کا مجموعہ ہے جب تین آیات کے مقابلہ سے تمام جن و انسان قیامت تک عاجز ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ قرآن شریف ایک معجزہ نہیں بلکہ چھ ہزار سے زائد معجزات پر مشتمل ہے۔ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت نو معجزوں سے بیان

فرمائی ہے۔ بھلا جس کے پاس محض فضلِ ایزدی سے ہزاروں معجزات موجود ہوں وہ کیوں کر نو معجزات والے صاحب سے افضل نہ ہوگا؟ اسی طرح باقی حضرات پر فضیلت کا قیاس کر لیں جن کے پاس گنتی کے معجزات تھے۔

۵۔ ہمارے رسول اکرم و اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام کے معجزات سے افضل ہے تو لازم آیا کہ ہمارے نبی بھی تمام رُسل سابقہ سے افضل و اعلیٰ ہوں۔ پہلے مقدمہ کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ کلامِ الٰہی قرآن مجید، کلاموں میں اس طرح ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام موجودات میں اور دوسرے کا ثبوت اس طرح کہ بادشاہ کسی وزیر یا مقرب خاص کو خاص خلعتِ فاخرہ خصوصیت کے ساتھ عطا نہیں کرتا جب تک وہ صاحبِ خلعت اس کے نزدیک سب سے اکرم و افضل نہ ہو۔

۶۔ رُسلِ کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے معجزات امورِ باقیہ میں سے تھے اور حبیبِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن شریف، جنس حروف و اصواتِ فانیہ سے ہے۔ اُن کے معجزات باوجودیکہ امورِ باقیہ میں سے تھے، فنا ہو گئے اور ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ باوجود فانی ہونے کے ابھی تک اسی طرح قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا، جس طرح لوحِ محفوظ میں مرقوم ہے۔

۷۔ رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دینِ مستقیم تمام ادیانِ سابقہ سے افضل ہے اور یہ لازم ہے کہ صاحبِ دین بھی باقی ادیان سابقہ کے صاحبوں سے افضل و اعلیٰ ہو۔

خداوند تعالیٰ جل جلالہٗ نے دینِ اسلام کو باقی تمام ادیان کے لیے ناسخ قرار دیا ہے اور یہ ضروری ہے کہ ناسخ، منسوخ سے افضل ہو، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے سنّتِ حسنہ کا رواج دیا، جب تک لوگ اس نیک سنّت پہ عمل کرتے رہیں گے، اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی۔ پس

جب یہ دین باعتبارِ ثواب و فضیلت کے ادیانِ سابقہ سے افضل و اعلیٰ ہو تو اس کا واضع بھی باقی ادیان کے واضعین سے بزرگی و ثواب میں فوقیت لے کر بزرگ تر ثابت ہوگا۔

۸۔ خداوند تعالیٰ جل جلالہ و عز برہانہٗ نے اپنی کتاب کریم واجب التعظیم میں :-

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ	"خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت
اَتْقٰىكُمْ (حجرات : ۱۳)	والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے"۔

فرما کر واضح کر دیا کہ خداوند تعالیٰ کے نزدیک محبوب و پسندیدہ وہ شخص ہے جو کہ سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہو اور ادھر حضرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ وَ اَنَا اَتْقٰكُمْ فرما کر ظاہر کر دیا کہ "سب سے زیادہ عالم باللہ اور متقی میں ہوں"۔

۹۔ احکم الحاکمین نے

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ	"بھلا اس دن کیا حال ہوگا جب
بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى	ہم ہر امّت میں سے گواہ بلائیں گے
هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (سورہ نساء: ۴۱)	اور تم کو ان پر گواہ طلب کریں گے"۔

نازل فرما کر جتلا دیا ہے کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کا اظہار مقصود ہے کیونکہ مولیٰ کریم کے نزدیک تو سب کچھ ظاہر و عیاں ہے، شہادت کی کوئی ضرورت نہیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد مقرر کرنے سے آپ کا سب کے روبرو فضل و احترام ظاہر کرنا مدِّ نظر ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہی پیارا امّی لقب سیّد الاوّلین والآخرین ہے۔

۱۰۔ خدا تعالیٰ کے پیارے حبیب کی امّت، امم سابقہ سے درجے و رُتبے میں مطابق آیت شریف :

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ	"جتنی امتیں لوگوں میں پیدا ہوئیں تم

لِلنَّاسِ (آل عمران : ۱۱۰) ان سب سے بہتر ہو۔"

افضل واعلیٰ ہے۔ اور یہ ضروری ہے کہ اس امت کا پیارا نبی بھی باقی انبیاء سے افضل واکرم ہو کیونکہ امت کا اشرف واکرم ہونا اپنے نبی کی اتباع کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پس تابع کی فضیلت متبوع کو واجب کرتی ہے۔

۱۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موافق آیت شریف:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً "اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا، سو سارے

لِلنَّاسِ (سبا : ۲۸) لوگوں کے لیے۔"

دعوتِ عامہ کا پیغام لے کر آئے تھے یعنی جن وانسان کی طرف آپ رسالت کا پیغام لاکر ان کو صراطِ مستقیم پر چلانے آئے تھے۔ بعض محققین نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ملائکہ کے لیے بھی رسول تھے۔ اب خیال کرنا چاہیے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تمام کی کی طرف رسالت کا پیغام لے کر آئے تھے تو آپ کو مخلوق کے مقابلہ میں کیا کیا تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھانی پڑی ہوں گی۔ کیونکہ جب تمام مخلوق کا ایک شخص مقابلہ کرے تو اس کو تکلیف ومشقت بھی اسی اندازے کے مطابق لاحق ہوتی ہے۔ اور جس قدر زیادہ مصیبت ومشقت لاحق ہوگی اسی قدر فضائل ومراتب میں ترقی ہوگی۔ انبیائے کرام میں سے کوئی نبی تو خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور کوئی کسی خاص گاؤں میں نبی مقرر ہوتا ہے اور کوئی صرف اپنے زمانہ کا رسول ہوتا تھا۔ اسی لحاظ سے ان سب کو تکالیف ومصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اور ہمارے نبی جو کہ تمام روئے زمین کے جن وبشر کی طرف قیامت تک مُرسل مقرر ہو کر تشریف لائے ہوئے ہیں اُسی نسبت سے اُن کو صدمے سہنے کا اتفاق ہوا ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ سب انبیائے کرام سے افضل واعلیٰ ہیں کیونکہ محض خدا کے واسطے جس قدر آپ نے تکالیف برداشت کی ہیں، اور کسی نبی نے نہیں اٹھائیں۔ حدیث شریف: اَفْضَلُ الْعِبَادَاتِ اَحْمَزُهَا اَیْ اَشَدُّهَا (افضل العبادات، عبادت کی

سختی اور شدت ہے۔) بھی اسی مضمون پر ناطق شاہد ہے۔

حضور رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تن تنہا بغیر کسی رفیق ویار اور زر ومال کے سب جن وانسان کو "یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" سے آواز دی تو آپ کے سب، ولی، دوست اور عزیز واقارب آپ کے دشمن ہو گئے اور ظاہراً بھی تکالیف پہنچانے میں کسی قسم کا دقیقہ باقی نہ رکھا تھا، ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیغام الٰہی بنی اسرائیل کو پہنچایا اور فرعون کو بھی احکامِ ربانی کی تبلیغ فرمائی تو فرعون مع اپنی قوم کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن ہو گیا۔

دیکھیے ایک شخص کو کسی شہر میں ایک خاص شخص کے پاس ایسا پیغام دے کر بھیجا جائے جو مرسل الیہ کی طبیعت کے ناموافق ہو اور اس شہر میں رسول کا کوئی دوست اور ہمدرد بھی نہ ہو تو اس کا دل پیغام پہنچاتے ہوئے ضرور گھبرائے گا اور دوسرے شخص کو اسی طرح کا پیغام دے کر ایک جنگل وبیابان میں ہزارہا لوگوں کے پاس، جو کہ رسول کی جان کے دشمن ہیں، بھیجا جائے تو عقل اندازہ نہیں لگا سکتی کہ پیغام پہنچانے والے کو وہاں جانے میں کیا کیا دقتیں پیش آئیں گی اور کن کن مصائب کا سامنا کرنا پڑیگا۔

۱۲۔ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطابق آیت شریف:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ "اے پیغمبر! جو ارشادات خدا کی
اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب
تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ لوگوں کو پہنچا دو۔ اور اگر ایسا نہ کیا
(پارہ ۶ سورہ مائدہ : ۶۷) تو تم خدا کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے۔"

یہ حکم تھا کہ صبح وشام جن وبشر کو احکام الٰہی کی تبلیغ کریں۔ اگرچہ وہ حضرت کی دن رات مخالفت ہی کیوں نہ کریں۔ حضرت، حکم الٰہی کی برابر تعمیل فرماتے رہے اور باوجود مختلف قسم کی تکالیف سہنے کے کسی وقت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت نے

ملال نہ کرتا تو معلوم ہوا کہ جس قدر مصائب آنحضرت کو احکامِ الٰہی کی تبلیغ میں لاحق ہوئے ہیں، اور کسی نبی کو لاحق نہیں ہوئے، رُسلِ سابقہ کے بعد ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا مرتبہ ہے اور یہ مسلّم ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت، امم ماضیہ (پچھلی امتوں) سے فضیلت و شرافت میں بڑھ کر ہے۔ کیونکہ جس قدر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو آپ کے ساتھ رہ کر مصائب و تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تھا، اور کسی امت کو ایسا اتفاق نہیں ہوا۔ جب صحابہ کو مشقتیں اور تکلیفیں اٹھانے کے باعث سب پر فضیلت ہوئی تو کیا ہمارے حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم، جنہوں نے تمام عمر رنج و غم میں گزار دی تھی اور مخالفین کے ہاتھوں طرح طرح کی تکلیفیں سہی تھیں، سب انبیاء سے افضل نہیں ہوں گے؟

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ کے تحت لکھتے ہیں کہ انسان کے لیے ایذائے لسانی تین قسم پر ہو سکتی ہے۔

اوّل: یہ کہ اس کے معبود و استاد و مرشد کے حق میں بیہودہ کلمات استعمال کئے جائیں۔

دوم: یہ کہ خود اس کی ذات پر ناجائز حملے کئے جائیں۔

سوم: اور ان کے حق میں ناشائستہ کلمات استعمال کئے جائیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار و منافقین نے تینوں قسم کی اذیت و تکلیف پہنچائی تھی۔ حبیب رب العالمین کی رُوحِ مبارک کو معبود کے بارے میں انہوں نے اس طرح اذیت پہنچائی کہ سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بعض تو خدا تعالیٰ جل جلالہ کے لیے زن و فرزند علی الاعلان ثابت کرتے تھے اور بعض معبودِ برحق کو شیطان کا مغلوب قرار دے کر سیدھے راستہ سے بہکانے والا قرار دیتے تھے اور بعض کہتے تھے کہ خدا تعالیٰ محتاج، مسکین، فقیر ہے۔ اس لیے

ہم کو حکم دیتا ہے کہ تم زکوٰۃ اور صدقہ ادا کیا کرو تاکہ میری ضروریات پوری ہوں اور ہم غنی، صاحبِ ثروت ہیں، نعوذ باللہ من ھذہ الھفوات[ل] ، اور قرآن شریف واجب التعظیم الٰہی کتاب کے بارے میں سحر و قول الکاہن و افتراء و کذب علی اللہ کہتے تھے اور بار بار کہتے تھے کہ اگر یہ قرآنِ مجید خدا کی کتاب ہے تو ہمارے پاس ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اُتر آئی جس کو ہم اپنی آنکھوں سے اترتے ہوئے دیکھیں۔ سورۃ سورۃ رکوع رکوع اور آیت آیت ہو کر نازل ہونے کا سبب یہی ہے کہ یہ کتاب جعلی خانہ ساز ہے اور الہامی کتاب نہیں۔ حضرت جبریلِ امین علیہ السلام جن کے ساتھ آپ کو بڑا انس تھا کہ وہ رب تعالیٰ کی طرف سے آپ پر قرآن اتارتا تھا، یہودی ان کے حق میں کلامِ گستاخانہ و بے ادبانہ اس طرح کہتے تھے کہ ایک مومن کا کلیجہ سُن کر شق ہونے کو تیار ہوتا ہے۔ صادق امین محبوب رب العالمین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شاعر و ساحر اور کذاب و مجنون جیسے انتہائی غیر مہذب اور اخلاق باختہ الفاظ دن رات کہہ کر اپنا نامۂ سیاہ کر کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو تکلیف پہنچاتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ پیغمبر ہوتا تو اس پر لازم تھا کہ ایک پُتلی بے جان کی طرح ہوتا، نہ کھاتا نہ پیتا، نہ بازاروں میں چلتا پھرتا، اس کے پاس مال کے خزانے ہوتے اور باغات کا مالک ہوتا۔ گویا رسالت کا معیار اُن کے نزدیک یہ تھا جو اُنہوں نے مختلف موقعوں پر ظاہر کر کے جتلا دیا تھا کہ رسالت و نبوت کا مستحق وہ شخص ہو سکتا ہے جو اوصافِ بالا سے موصوف ہو اور پھر اسی پر کفار و منافقین نے کفائت نہیں کی بلکہ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قصیدے اور نظمیں تیار کر کے جو کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو پر مشتمل ہوتی تھیں، مغنیات اور رقاصات سے سُن کر اپنی

ل ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتے ہیں ان ہفوات (لغزشوں) سے۔ (قصوری)

مجلسوں اور محفلوں کو رونق دیتے تھے۔

منافق و فاسق اور یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایک ایسے فعلِ شنیع کا ناپاک الزام لگایا کہ اہلِ ایمان کا دل سن کر کانپ اٹھتا ہے اور بے اختیار آنسو جاری ہو کر بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد منافقین آپؐ کے اقارب و صحابہ کبار و اہلِ بیت کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ سب غاصب و ظالم اور مرتد ہو گئے ہیں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متوسلین و مصاحبین و اقارب سے کوئی بھی صراطِ مستقیم اسلام پہ باقی نہیں رہا (نعوذ باللہ) انہی تکالیف کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھا کر مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ فِی اللّٰہِ (کسی نبی کو اس قدر نہیں ستایا گیا جس قدر مجھے ستایا گیا)۔ فرمایا تھا۔ رسولِ مقبول محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر و تحمل بھی دیکھئے کہ آپؐ باوجود ان مصائبِ شاقہ و اذیت ہائے گوناگوں، خلق کو دعوتِ اسلام دیتے رہے اور اخلاقِ حمیدہ و محاسنِ جمیلہ سے ان کے ساتھ پیش آکر اُن کو اپنا بناتے رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار و منافقین طرح طرح کی تکلیفیں دیتے رہے اور ہر وقت درپئے آزار رہے تھے لیکن خداوندِ عالم اس کے عوض اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب و مناصب بلند کرتا تھا اور روز بروز منافقوں کے سامنے آپؐ کے دینِ مستقیم کو ترقی بخشتا تھا۔ خداوند تعالیٰ اس ترقی کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی بخشے اور حاسدین و دشمنانِ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حسد و بغض کا دارین میں بدلہ دے۔ آمین! ؎

عَدُوُّكَ مَذْمُوْمٌ بِكُلِّ لِسَانٍ
وَلَوْ كَانَ مِنْ اَعْدَائِكَ الْقَمَرَانِ

وَلِلّٰهِ سِرٌّ فِيْ عُلَاكَ وَاِنَّمَا
كَلَامُ الْعِدٰى ضَرْبٌ مِّنَ الْهَذَيَانِ
اَيَلْتَمِسُ الْاَعْدَاءُ بَعْدَ الَّذِيْ رَاَتْ،
قِيَامَ دَلِيْلٍ اَوْ وُضُوْحَ بَيَانٍ

"تیرے دشمن کا ذکر ہر زبان پر بہ بدی آتا ہے اگرچہ تیرے دشمن شمس و قمر ہوں تو وہ بھی باوجود اپنے عمومِ نفع کے مذموم ہو جائیں۔ اور تیری رفعتِ مرتبت میں خدا کا بھید ہے جو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا اور بات یہ ہے کہ دشمنوں کا تیرے بارے میں کلام کرنا ایک قسم کا جنون ہے کہ وہ سرِّ الٰہی کو نہیں سمجھتے۔ کیا تیرے دشمن بعد دیکھنے تیری ترقیٔ اقبال کے اب بھی کوئی دلیل اور واضح بیان تیری رفعِ قدر کے لئے طلب کریں گے؟"

۱۴۳۔ ہمارے نبی فخرِ دو جہاں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ تمام کمالات و محاسن و شمائلِ حسنہ و اخلاقِ برگزیدہ موجود تھے جو تمام رسلِ عظام و انبیائے کرام ماضیہ میں جمع تھے کیونکہ خداوندِ عالم عزّ برہانہٗ وجل سلطانہٗ نے ساتویں سپارہ قرآن مجید میں اپنے برگزیدہ پیغمبروں کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے اور پھر ساتھ ہی ان کی فضیلت و شرافت بیان کرنے کے علاوہ ان کی قدر و منزلت ظاہر کی گئی ہے اور یہ جتلایا گیا ہے کہ یہی جماعت بزرگی و شرافت میں تمام مخلوق حتیٰ کہ ملائکہ سے بھی افضل ہے اور یہی گروہ صحیح معنوں میں عبادی الصالحون کا سچا مصداق ہے۔ اس کے بعد مولا کریم آقائے نعمت خداوندِ عالم نے،

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ (پارہ ۷ سورہ انعام: ۹۱)

"یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی تھی تو تم ان ہی کی ہدایت کی پیروی کرو۔"

ارشاد فرما کر حضرت نبیِ رحیم شفیعِ امّت کو تعلیم دی کہ جس قدر اوصافِ جمیلہ و فضائلِ حمیدہ و کمالاتِ علیہ اس جماعت میں فرداً فرداً پائے جاتے ہیں، ان سب کو آپؐ اقتدا کریں۔ آپؐ نے عملی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ سب محاسن کا میں ہی جامع ہوں جو انبیائے کرام میں پائے جاتے ہیں اور میرا ہی نام سیّد الانبیاء و امام النبیّین و شفیعُ المذنبین (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ (اس کو آگے چل کر میں ذرا وضاحت سے بیان کروں گا، آپ منتظر رہیں)۔

۱۴۔ معجزات کی کمی بیشی کو اگر افضلیتِ رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معیار قرار دیا جائے تو اس صورت میں بھی محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمام رُسلِ عظام سے فوقیت لے جائیں گے۔ کیونکہ انبیائے کرام کے پاس جو معجزات اُن کی رسالت کو واجب کرتے تھے اور یقین دلاتے تھے کہ واقعی یہ خدا کی طرف سے سچے نبی ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی نسبت بہت کم ہیں اور محبوبِ خدا مقبولِ الٰہی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا تعالیٰ نے تین ہزار سے زائد معجزات ظاہر کئے تھے۔ اگر میں ہر ایک کو تفصیلاً یہاں لکھوں تو کئی ایک دفتر بھی کافی نہیں ہوں گے۔ بعض تو قدرت کے متعلق تھے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلقِ کثیر کو طعامِ قلیل سے سیر کر دیا اور آبِ قلیل سے لشکروں کی پیاس بجھا دی اور ذخیرہ کے لیے پانی جمع کر لیا گیا اور بعض علم کے متعلق تھے جیسے آپؐ نے زمانہ ماضی اور مستقبل کی خبریں ظاہر کیں جو ہُو بہُو اپنے وقت پر پوری ہو رہی ہیں اور قیامت تک پوری ہوتی رہیں گی اور فصاحتِ قرآن و بلاغتِ فرقان کو مخالفین کے سامنے پیش کیا کہ اس جیسی کم از کم تین آیات ہی تیار کر کے لے آؤ لیکن سب باوجود دعویٰ فصاحت و بلاغت و شعر خوانی، تین آیات لانے سے عاجز رہے اور قیامت تک مخالفین عاجز و قاصر رہیں گے اور بعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق

تھے، جس طرح شجاعت، خلق، حلم، وفا، فصاحت، سخاوت، شرافت، نسب وغیرہ۔

۱۵۔ مولیٰ کریم خالقِ دوجہاں نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا اظہار اور فضیلت و بزرگی کا عَلَم اس طرح بھی بلند کیا ہے کہ آپؐ کی حیات و عمر کی قسم کھائی ہے۔ لَعَمْرُكَ

اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ	"اے محبوب! تمہاری جان کی قسم،
(پارہ ۱۴ سورہ حجر: ۷۲)	بیشک یہ لوگ اپنے نشہ میں بہک رہے ہیں"۔

اہلِ تفسیر کا اتفاق ہے کہ اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت و عظمت کیا ہو گی کہ خداوندِ عالم آپؐ کی مدتِ حیات کی قسم کھا رہا ہے۔

علامہ ابو الجوزہ لکھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے کسی کی مدتِ حیات کی قسم نہیں کھائی مگر اپنے پیارے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیونکہ آپؐ تمام مخلوق سے افضل و اکرم ہیں اور کوئی بھی ملک و بشر فضائل و مراتب میں آپؐ کے مساوی نہیں۔

۱۶۔ احکم الحاکمین نے سورہ آلِ عمران میں

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ	"اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں
النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ	سے اُن کا عہد لیا کہ جو میں تم کو کتاب
كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ	دوں اور حکمت دوں، پھر تشریف لائے
جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ	تمہارے پاس وہ رسول جو تمہاری کتابوں
لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ	کی تصدیق فرما دے تو تم ضرور ضرور اُس پر
وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران: ۸۱)	ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔"

نازل فرما کر واضح کر دیا ہے کہ مولیٰ کریم نے انبیاء کرام سے جو کہ کتاب و حکمت کے مالک تھے، عہد لیا تھا کہ جب کبھی تمہارے پاس ایسا رسول آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے اور تمہیں خدا کا سچا رسول تسلیم کرے تو تم پر اُس وقت لازم ہے کہ تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو۔ اگر تم نے عہد کرنے کے بعد اُس سے وفا نہ کی تو تم زُمرۂ فاسقین میں شمار کئے جاؤ گے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ جل جلالہٗ نے تمام انبیاء پر واجب کیا تھا کہ وہ ہر اس رسول پر ایمان لائیں جو مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ کا مصداق ہو۔

حضرت علی و ابن عباس و قتادہ والسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ یہ میثاق و عہد حضرت رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کے ساتھ مختص تھا۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیائے کرام و رُسل عظام سے خدا تعالیٰ نے عہد لیا تھا کہ اگر وہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پالیں تو اُن پر واجب ہے کہ اُن پر ایمان لائیں اور اُن کی مدد کریں۔ دیکھئے حبیب کی شرافت و منزلت کس طرح مدِ نظر ہے کہ ابھی عالم دنیا میں بہ شکلِ خاص پیارے کا ظہور بھی نہیں ہوا لیکن سب انبیاء سے اس پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد پختہ لیا جا رہا ہے۔

بعض مُفسّرین نے اس آیتِ شریفہ کے یہ معنیٰ بیان فرمائے ہیں کہ تمام سابق انبیاء کرام اپنے اپنے وقت میں اپنی اُمتوں سے عہد لیتے تھے اور ان کو تاکید کرتے تھے کہ اگر وہ حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کا زمانہ پالیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں کیونکہ مقصود اس آیت شریفہ سے ان لوگوں کو تنبیہ کرنی ہے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے کہ وہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں۔

ان مفسّرین نے اس وجہ کو ابلغ (نہایت بلیغ) ظاہر کرنے کے لیے کہا ہے کہ یہ مقصود تب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ ایمان و مدد کا عہد اُمم سے لیا جائے نا کہ انبیاءِ کرام سے۔ لیکن علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے وجہ سابق کو موزوں تر اور ابلغ ظاہر کرنے کے لیے یہ جواب دیا ہے کہ جب انبیائے عظام سے ایمان و مدد کا وعدہ لیا جا رہا ہے اور ان پر واجب کیا جا رہا ہے کہ وہ خود بشرطِ وجدانِ زمانۂ حبیب ایمان لائیں، تو کیا اُمتیں اس عہد سے مستثنیٰ ہوں گی؟ نہیں! کیونکہ جب انبیائے کرام پر ایمان لانا لازم ہو گیا تو اُمم پر بطریقِ اولیٰ فرض ہو گیا۔ اب اسی صورت میں بعض مفسّرین کا مقصود بھی پورا ہو گیا اور حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت و شرافت بھی سب پر ظاہر ہو گئی۔

۱۷۔ انبیائے کرام و رسلِ عظام کے حق میں کفار اور مُشرک لوگ بغض و عناد کی بنا پر جو کچھ بکتے تھے، اس کا جواب خود حضرات انبیائے عظام دیتے تھے، جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے اُن کے حق میں إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ (ہم تمہیں گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ الاعراف: ۶۶) کہا تو حضرت نے جواباً يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ (اے میری قوم! میں گمراہی میں نہیں ہوں (الاعراف: ۶۷)۔) فرما کر ان کا رد فرمایا۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا (اے موسیٰ! میرے گمان میں تجھ پر جادو ہو گیا ہے (بنی اسرائیل: ۱۰۱)۔) سے یاد کر کے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا تو آپ نے اُس کو جواب میں إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُورًا (بنی اسرائیل: ۱۰۲) (اے فرعون! تو بلاشک و شبہ راندۂ درگاہ ہے) سے یاد کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ہم عصروں نے آپ کو إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (بے شک ہم تجھے گمراہی میں دیکھتے ہیں (پارہ ۸، الاعراف: ۶۰) کہہ کر تکلیف پہنچائی تو آپ نے اس اعتراض کو دفع کرنے کے لیے يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ (اے قوم! میں گمراہی میں نہیں ہوں۔ (الاعراف: ۶۱)۔) تکلّم فرمایا۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ باقی حضرات انبیائے کرام کی بھی کلام

اپنے ہم قرنوں سے ہوتی تھی اور وہ اس کا جواب بذاتِ خود اُن کو دیتے تھے۔
ادھر ہمارے نبی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت دیکھئے کہ جب آپ کی شان میں کافروں نے بے جا کلمات (ساحر و مجنون اور ضال و کاہن وغیرہ نازیبا الفاظ) استعمال کئے تو خود خالق و مالک رب العالمین اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان الفاظ کے ساتھ کفار کو جواب دیتا ہے:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ. (قلم: ۲)	"تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔"
وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ. (یٰس: ۶۹)	"اور ہم نے اُن کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ اُن کی شان کے لائق ہے۔"
مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. (سورہ نجم: ۲،۳)	تمہارے صاحب نہ بھکے نہ بے راہ چلے۔ اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔"
اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ. (ھود: ۱۷)	"تو کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہو اور اس پر اللہ کی طرف سے گواہ آئے۔"

ناظرین! اب فضیلتِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا موازنہ آپ خود ملاحظہ فرمالیں کہ حضراتِ انبیائے عظام علیہم الصلوات والتسلیمات تو خود مطاعنِ کفار کا جواب دے رہے ہیں اور یہاں حبیبِ خدا کا خالق، کفار کو ان کے کلماتِ ناشائستہ کا جواب دیکر ساکت فرمارہا ہے۔

۱۸۔ رب العزت خالقِ کونین نے اپنی پاک کتاب میں خبر دی ہے کہ اُممِ سابقہ رُسلِ کرام کو اُن کے نام لے کر پکارتی تھیں۔ مثلاً:

يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ. (پارہ ۹ سورۃ الاعراف: ۱۳۸)	"اے موسیٰ! ہمیں ایک خدا بنا دے جیسا کہ اُن کے اتنے خدا ہیں۔"
يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ (پارہ ۷ سورہ المائدہ: ۱۱۱)	"اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ایسا کرے گا۔"
يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ (پارہ ۱۲ سورہ ھود: ۵۳)	"اے ہود! تم کوئی دلیل لے کر ہمارے پاس نہ آئے۔"
يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ (پارہ ۸ سورہ الاعراف: ۷۷)	"اے صالح! ہم پر لے آؤ۔"

وغیرہ ذٰلک، اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت و منزلت ظاہر کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے وحی نازل فرما کر سب اہلِ اسلام کو تنبیہ کی کہ خبردار! میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک اس طرح بے ادبی کے ساتھ نہ لیا کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کا نام لے کر پکارتے ہو۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا. (سورہ نور: ۶۳)	"رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔"

یہ فضیلت و شرافت سب حضرات انبیائے کرام میں سے صرف آپ ہی کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (پارہ ۲۸ سورۃ الحشر: ۲) (تو عبرت لو اے نگاہ والو)

۱۹۔ غور سے سنیئے کہ احکم الحاکمین نے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مناصب

وفضائل عنایت کئے جس سے اور حضرات خالی تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا:

يَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

"اے داؤد بے شک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا تو لوگوں میں سچا حکم کر اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔"

(سورہ ص ۲۶)

اور اپنے پیارے نبیؐ کے حق میں بہت سی قسمیں کھانے کے بعد تاکید کے ساتھ فرمایا: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، سورہ نجم: ۲)۔ اب جو فرق وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى (اور اپنی خواہش کے پیچھے نہ جانا) اور وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى میں صاف صاف ظاہر ہے وہ آپ ملاحظہ فرمالیں۔ اس کو میں آپ کی باریک بینی اور روشن دماغی پر چھوڑتا ہوں۔

۲۰۔ الٰہی کتاب میں حضرت آدمؑ، داؤدؑ اور موسیٰ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ان سے فلاں فلاں لغزش صادر ہوئی اور انہوں نے جب بصد خشوع وخضوع اپنے مولیٰ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے قصور کی معافی چاہی تو ان کو معافی دے دی گئی اور پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کسی قسم کی لغزش کا ذکر کئے بغیر

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ

"تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔" (اور تمہاری بدولت امت کی مغفرت فرمائے۔)

(سورہ فتح: ۲)

فرما کر امتِ مذنبہ کے گناہوں پر قلمِ عفو پھیرنے کا اشارہ سمجھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وحرمت بلند کی۔

خیال کیجئے کہ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ظاہر کرنے کے لیے اور آپؐ کو غم وفکر سے دور رکھنے کے لیے اور آپ کو حوصلہ وتسلی بخشنے کے لیے تو خالقِ دوجہاں نے الہامی کتاب میں آپؐ کی لغزش کا ذکر نہیں کیا اور خطیاتِ سابقہ و لاحقہ (یعنی ہجرت سے پہلے اور بعد میں آپ پر جو الزامات لگائے گئے تھے) معاف کر دیں اور باقی حضرات کی لغزشوں کا ذکر فرمانے کے بعد ان کی معافی کا اظہار فرمایا۔ اب آپ خداداد لیاقت سے کام لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ خداوند کریم کو محبوبِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر عزت منظور ہے اور آپ کے فضل وشرف کی کہاں تک حد ہے۔

۲۱۔ خداوندِ عالم جل جلالہٗ وعز برہانہٗ نے قرآن مجید میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے جہاں کہیں انبیائے کرام کے حالات بیان کیے ہیں، وہاں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ہم اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو ان کے ناموں سے پکارتے تھے مثلاً یا آدمؑ، یا نوحؑ، یا ہودؑ، یا موسیٰ، یا عیسیٰ، لیکن حضرت رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جہاں کہیں قرآن شریف میں کسی حکم سے یاد کیا گیا ہے، آپ کا اسم گرامی بطور منادیٰ نہیں پکارا گیا بلکہ بطور کنایہ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ، يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ، يَا اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ سے یاد کیا گیا ہے اور ان دونوں صورتوں میں جو تفاوت ہے وہ آپ ملاحظہ فرمالیں۔

۲۲۔ خالقِ دوجہاں نے ہمارے رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک خاص رتبہ عنایت فرمایا ہوا ہے جو کسی نبی کو میسر نہیں ہوا یعنی خداوندِ عالم آیتِ مبارکہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ (سورۂ احزاب آیت ۵۶) نازل فرما کر واضح کر دیا کہ اس کی ذاتِ قدیم اور اس کی مقدس جماعت ہمیشہ پیارے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجتے رہتے ہیں اور ہمیشہ بھیجتے رہیں گے، اب نہ ذاتِ قدیم کو فنا و زوال اور نہ ہی حضرت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و فضائل کا حدّ و حساب، اب جو شخص ذاتِ مقدس کی صفات کا اوّل سے آخر تک پتہ لگالے گا وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف و مجد سے بھی آگاہ ہو جائے گا۔ ہم تو اس سے بھی عاجز اور اس سے بھی قاصر، یہ شرف و مجد آج تک سوائے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کو عنایت نہیں ہوا کہ خود خداوند تعالیٰ ازل سے ابد تک کسی کی تعریف و توصیف فرماتا رہے اور اس کی عزّت و شرافت غیر متناہی کو بیان کرتا رہے۔

۲۳۔ کتاب النوادر میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حبیبِ خدا فخرِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ خداوندِ عالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "خلیل اللہ"، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو "کلیم اللہ" اور مجھ کو اپنا "حبیب" پسند فرمایا۔ پھر خداوند تعالیٰ نے اپنی عزّت و جلال کی قسم کھا کر کہا میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خلیل علیہ السلام اور اپنے کلیم علیہ السلام پر ترجیح دیتا ہوں۔

۲۴۔ بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھ کر "ھٰذا سید العرب" فرمایا۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سن کر کہا کہ اس جملہ کے مصداق تو آپ ہیں نا کہ حضرت علیؓ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ میں "سید العالمین" ہوں اور میرا علیؓ "سید العرب" ہے۔

۲۵۔ حضرت رسول مقبول صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے بشر ہوں گے وہ سب حشر کے

دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، اور فرمایا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں اور میں یہ فخراً نہیں کہتا بلکہ اظہارِ حقیقت ہے اور فرمایا کہ دار الخلد کا دروازہ جو کہ پاک بندوں کی جگہ ہے، سب سے پہلے میں ہی کھولوں گا۔ اور میں ہی پہلے داخل ہوں گا اور میری ہی امت سب امتوں سے پہلے اس میں داخل ہو کر اس کو مشرف کرے گی۔

۲۶۔ ایک دن صحابہ کرام بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے۔ بعض تو حضرت آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا برگزیدہ نبی قرار دے کر دیگر حضرات پر ترجیح دیتے تھے اور بعض حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا کا کلیم بیان کر کے اُن کو افضل ثابت کرتے تھے اور بعض حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کے نام سے یاد کر کے سب پر فضیلت دیتے تھے اور بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ سے موصوف فرما کر ان کو اعلیٰ بنانے کی کوشش کرتے تھے، جناب رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کی گفتگو سن کر فرمایا کہ حضراتِ انبیاء کرام جس جس صفت کے ساتھ موصوف تھے وہ سب اسی طرح ہیں لیکن یاد رکھو کہ میں خداوندِ عالم کا پیارا حبیب ہوں اور اُن سب کا سردار ہوں۔

۲۷۔ ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ شبِ معراج جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے براق کو مزیّن کر کے رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر کیا تو براق اس وقت اُچھلتا اور کودتا تھا۔ جب جبرائیل علیہ السلام نے براق کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا تو نہیں جانتا کہ آج تجھ پہ وہ سوار ہوگا جس سے زیادہ "اکرم و افضل" خدا کے نزدیک اور کوئی نہیں ہے۔ براق کا یہ سننا تھا کہ مارے جلالت اور ہیبت کے اپنا ناچنا کودنا چھوڑ کر پسینہ پسینہ ہوگیا۔

۲۸ ۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام تمام پیغمبروں پر خدا کی طرف سے وحی لاتے رہے لیکن عاقبت کے خوف سے وہ بھی بے خطر نہ ہوئے مگر جب انہوں نے ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام رسانی کا سلسلہ شروع کیا تو آپ کو بھی رحمۃ للعالمین کی رحمت سے زیادہ حصہ پہنچا ۔

ایک دن حضرت رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبرائیل سے دریافت کیا کہ کیا تجھے بھی رحمۃ للعالمین کی رحمت سے حصّہ پہنچا ہے ؟ عرض کی کہ آپ کی طفیل بارگاہِ ایزدی سے میرے حق میں

ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ	"جو صاحبِ قوت مالکِ عرش کے
مَکِیْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ	ہاں اونچے درجے والا ۔ سردار (اور)
(تکویر: ۲۰)	امانت دار ہے ۔"

تعریف وثنا کی گئی ہے ۔ اور یہ آپ کی رحمت کا ہی حصہ ہے جس کی وجہ سے میں عاقبت کے خوف وخطرے سے امن میں ہو گیا ہوں ۔

۲۹ ۔ امام بخاری اور مسلم، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن تمام مومنین جمع ہو کر حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے مناقب وفضائل بیان کریں گے اور کہیں گے کہ ان مناقب سے موصوف ہو کر آپ ہی اس قابل ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے دربار میں ہماری سفارش کریں تاکہ ہم اس جگہ سے آرام پائیں ۔ حضرت آدم علیہ السلام اُن کے سامنے عذرِ معقول فرما کر اُن کو حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جانے کا اشارہ کریں گے ۔ حسبِ فرمان حضرت آدم علیہ السلام، لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور سابق کی طرح عرض کریں گے کہ آپ ہماری طرف سے سفارش کیجئے تاکہ ہم اس تکلیف سے نجات پائیں ۔ حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں کیونکہ مجھے بارگاہِ ایزدی میں جانے سے

شرم آتی ہے، آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں، وہ آپ کی مراد پوری کریں گے لیکن حضرت خلیل علیہ السلام بھی اس امرِ اہم سے انکار کر کے اُن مسلمانوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف جانے کا ارشاد کریں گے اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دے کر رخصت فرمائیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی متقدمین کی طرح سفارش سے انکار کر کے نفسی نفسی کا نعرہ بلند فرما کر اُن کو بارگاہِ معلیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ بتائیں گے کہ یہی اس قابل ہیں کہ تمہاری مراد کو پہنچیں اور تمہاری آرزو کو بر لائیں ۔ مومنین تمام جگہوں سے ناامید ہو کر حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہو کر سفارش کی آرزو کریں گے ۔ حبیبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام مومنین کو ہمراہ لے کر ربّ العزّت سے شفاعت کی آرزو کریں گے اور سجدے میں گر کر اپنے مالک کی حمد وثنا ادا کریں گے کہ پہلے کسی نے نہیں ادا کی ۔ حکم ہوگا، سر اٹھائیے اور اپنا مطلب ومقصد ظاہر کیجئے، ہم قبول کریں گے ۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سر اٹھا کر عرض کریں گے کہ ان مسلمانوں کو بخش دے، بعض تو اسی وقت بخشے جائیں گے اور بعض دوبارہ سجدے سے اٹھنے کے بعد اور بعض سہ بارہ ۔ الغرض مطابق فرمانِ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم وہ بھی بخشے جائیں گے جنہوں نے صدق دل سے ایک ہی دفعہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا ہوگا ۔

۳۰ ۔ حضرت رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ امم سابقہ میں سے بعض امتیں صبح سے دوپہر تک کام کرتی رہیں اور بعض دوپہر سے لے کر عصر تک مزدوری کرتی رہیں لیکن اُن کی محنت کا صلہ مساوی طور پر اُن کو ایک ایک قیراط (ایک چاول) دیا گیا ۔ پھر میری اُمت کو عصر سے مغرب تک احکامِ الٰہی بجا لانے کا حکم ہوا اور اُن کو دو دو قیراط ملے ۔ پہلی امتوں نے عرض کی کہ اے مولیٰ کریم اُن کو دو دو قیراط دئے

گئے اور ہم کو ایک ایک قیراط، حالانکہ ہم نے اُن سے زیادہ کام کیا ہے اور اُن سے زیادہ محنت کی ہے! پوچھا جائے گا کہ کیا تمہاری مزدوری میں سے ہم نے کچھ کم تو نہیں کیا اور تمہاری اُجرت میں ہم نے کوئی ظلم تو نہیں کیا؛ عرض کریں گے نہیں! خداوند عالم ارشاد فرمائیں گے کہ یہ میرا فضل ہے، جسے چاہوں زیادہ دوں اور جسے چاہوں کم۔

۳۱۔ حضرت رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرافت و عزت کے باعث آپؐ کی امّت کو قرآن مجید میں بڑے پیارے الفاظ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے یاد کیا گیا ہے اور باقی تمام امتیں اپنی کتابوں میں یَا اَیُّھَا الْمَسَاکِیْن! سے مخاطب کی گئی ہیں اور آپ کی امّت کتبِ سابقہ میں اس طرح تعریف کی گئی ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کی ہر حال میں حمد کریں گے اور تسبیح و تمجید سے اس کو یاد رکھیں گے اور فرشتے آسمانوں میں اُن کی اذانوں کو سُنیں گے اور وہ آپس میں ایک دوسرے پر رحم کریں گے اور کفّار پہ سختی کریں گے اور حالت رکوع اور سجود میں رہیں گے۔

۳۲۔ طاعون جوکہ پہلی امّتوں کے لیے عذاب تھی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے رحمت اور شہادت کا باعث ہے۔ یہ فضیلت اور شرافت بھی حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل ان کی امت کو نصیب ہے۔

۳۳۔ بخاری اور ترمذی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مسلمان کے نیک ہونے پر چار مومن گواہی دیں گے، اُس کو مولیٰ کریم جنت میں داخل کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اگر تین آدمی اس کے نیک ہونے کی گواہی دیں تو پھر، فرمایا وہ بھی بخشا جائے گا۔ اور پھر مزید ارشاد کیا کہ اگر دو بھی اس کے صالح ہونے پر شہادت دیں گے تو پھر بھی وہ ضرور عذابِ الٰہی سے نجات پائے گا۔

۳۴۔ حضرت رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام حلم اور عفو کے اعتبار سے بھی سب حضرات انبیاء پر فائق تھے کیونکہ انبیائے کرام کو جب کفار نے مختلف قسم کی تکلیفیں پہنچائیں تو انہوں نے بارگاہِ ایزدی میں درخواست کی اور اُن کا قلع قمع کرا دیا۔ لیکن ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شفیق، ایسے حلیم، ایسے صابر کہ کفار سے ہزاروں درد و رنج سہنے کے باوجود آپ کی پاک رُوح نے گوارا نہ کیا کہ کسی کے حق میں دعاءِ ہلاکت کر کے عذابِ الٰہی کی تمنا کریں بلکہ جب کبھی کفار پہ بد دعا کرنے کا ذکر آتا یا صحابہ کرام حضرت کو عذاب نازل ہونے کے لیے سفارش کرتے یا خدا تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ جبال خدمت میں حاضر ہو کر کفار کو تکلیف دینے کی اجازت طلب کرتے تو آپ بجائے بد دعا کرنے کے اُن کے حق میں ہدایت کے طالب ہوتے تھے اور اُن کی گوناگوں تکالیف پہ صبر و شکر بجا لاتے تھے۔ مروی ہے کہ جنگ اُحد کے دن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک شہید کر کے آپ کا چہرۂ مبارک کفار نے زخمی کیا تو صحابہ کرام کو سخت ناگوار گزرا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں کفار پہ بد دعا کرنے کی نسبت عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس لیے نہیں آیا کہ لوگوں پہ بددُعا کر کے اُن کو تکلیف پہنچاؤں بلکہ میرا منصب تو یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اور جس طرح ہو سکے، اُن کو راہِ راست پر لاؤں، اس لیے میں بجائے بد دعا کرنے یہ کہتا ہوں: اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ (میرے مرتبے) کو نہیں جانتے)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگ کر صرف یہی ظاہر نہیں کیا کہ یہ قابلِ معافی ہیں بلکہ سببِ شفقت بھی معبودِ حق کے دربار میں ظاہر کر کے اُن کی طرف سے یہ عذر پیش کر دیا کہ یہ میری قدر نہیں پہچانتے اور میرے منصب سے

جاہل ہونے کے باعث اِن حرکاتِ ناشائستہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ مولا! یہ میری قوم ہے اور میری طرف منسوب ہے تو ان کو راہِ مستقیم دکھا تاکہ یہ میری قدر پہچانیں۔

مخالفین نے ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مختلف قسم کی اذیتیں پہنچا کر پیغامِ الٰہی کی سختی سے مخالفت کی تو جبرائیل امین، خدائے پاک کا پیغام لے کر حاضرِ خدمت ہوئے کہ میرے مولا! مُرسل نے پہاڑوں کے داروغہ کو آپ کے فرمان کا مطیع بنا دیا ہے، آپ جس طرح چاہیں دشمنوں کو ہلاک کرنے کے لیے اس داروغہ سے کام لیں۔ اتنے میں ملک الجبال نے بھی سلام ادا کر کے عرض کی، حکم ہو تو پہاڑوں کو آپ کے دشمنوں پر گرا دوں! کریم النفس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتے ہی فرمایا کہ ان کو مت ضائع کرو، شاید ان کی پیٹھ میں سے خدا ایسے برگزیدہ مسلمان پیدا کرے جو دنیا میں اسلام کا ڈنکا بجا کر شرک وکفر کا ستیاناس کر دیں اور توحید و رسالت کی روشنی پھیلا کر ظلمتِ نفاق و فسق کو غارت کر دیں۔

ایک دفعہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت ایک الگ درخت کے نیچے جنگل میں آرام فرما رہے تھے اور صحابہ کرام بھی آپ سے علیحدہ ہو کر قیلولہ میں مصروف تھے۔ غورث بن حارث نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علیحدہ پا کر آپ کو تکلیف پہنچانے کا موقع پایا، تلوار تان کر حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کھڑا ہو گیا۔ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قلبِ مبارک چونکہ ہر وقت بیدار رہتا تھا، دیکھا تو ایک مخالف سر پر ننگی تلوار لیے کہہ رہا ہے: مَنْ یَمْنَعُکَ مِنِّیْ ؟ (مجھ سے آپ کو کون بچا سکتا ہے؟) فرمایا، اللہ! نامِ خدا سنتے ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر کر آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے فرمایا: مَنْ یَمْنَعُکَ مِنِّیْ ؟ اُس نے جواب دیا کہ آپ کی ذات حلیم و شفیق، کریم، محسن اور معاف کنندہ ہے جس طرح ارادہ ہو میرے ساتھ سلوک کریں، آپ نے اس

کا قصور معاف کر دیا۔

وہ رہائی پا کر اپنی قوم کے پاس پہنچا اور جاتے ہی یہ سنایا کہ میں تمہارے پاس ایسے شخص کے دربار سے واپس آیا ہوں جو خیر الناس اکرم الاوّلین و الآخرین سیّد الرسل سے موصوف ہے۔ اس کے کہنے پر اُس کی تمام قوم مسلمان ہو گئی اور ہمیشہ کے لیے عذابِ الیم سے رہائی پا گئی۔

ایک اور واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے ہے جبکہ ایک یہودیہ عورت نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کی خاطر آپ کو کھانے میں زہر ملا کر کھلا دیا اور پھر زہر کھلانے کا اقرار بھی کر لیا تو آپ نے نرمی اور بڑی رحمدلی کے ساتھ اُس کے قصور پر قلمِ عفو پھیر کر یہ بات ظاہر کر دی کہ میری نظیر اور میری مثال حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں چراغ لے کر بھی ڈھونڈو گے تو پھر بھی دستیاب ہونی صرف مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حالتِ کُفر میں حبیب خدا افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے قرضہ لینا تھا، ابھی قرضہ اُتارنے کی مدتِ مقررہ باقی تھی کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے نبوت پر کھنے کے لیے حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سختی اور درشتی کے ساتھ قرضہ کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی کئی ایک ناگوار باتیں بھی سنا دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالی طبیعت بھلا ایسے کلماتِ ناشائستہ سُن کر کب چُپ رہ سکتی تھی۔ آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا اور ان کے ساتھ سختی سے کلام کی۔ اب ذرا توجہ فرمائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بجائے اس کے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خوش ہوتے کہ تم نے میری طرف داری کی ہے اور میرے قرض خواہ کو تُو نے میرے سامنے ڈانٹا ہے، اُلٹے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ہی خفا ہوئے اور فرمایا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ تجھے چاہیئے تھا کہ ہم دونوں کو نرمی کی ہدایت کرتے یعنی زید رضی اللہ عنہ کو نرمی سے قرضہ کے

مطالبہ کی ہدایت کرتے اور مجھ کو قرضہ کے جلدی ادا کرنے کی رغبت دلاتے نہ کہ تم اُس کو میرے خیرخواہ ہو کر ڈانٹنے لگو، حالانکہ ہم اس کے مقروض ہیں۔ جا اس کا قرضہ دے دے اور اس سختی کے عوض جو تو نے زید رضہ سے کی ہے، بیس صاع (تقریباً ۸۳ کلو) غلہ زیادہ دے دینا۔ حضرت زید رضہ نے کلماتِ طیبات سنتے ہی فرمایا:
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور کہا کہ میں تو کتبِ سابقہ الٰہیہ کے مطابق آپ کا "حلم وعفو" آزمائش کرنے کو آیا تھا نہ کہ قرضہ لینے کو، کیونکہ ابھی قرضہ کی مدت میں تین دن باقی ہیں۔

قریشِ مکہ سے مختلف شدائد اٹھا کر جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ مکہ کے دن انہی قریش پر غالب ہوئے تو آپ نے باآوازِ بلند فرمایا کہ تم کو علم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ آپ تو ہم سے بھلائی ہی کریں گے کیونکہ آپ اَخِ کریم اور اَخِ کریم کے بیٹے ہیں، آپ پر تو ہم کو نیکی اور عفو کی توقع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتے ہی فرمایا، جاؤ تم آزاد کر دیئے گئے ہو۔

دیکھیے! حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عمر کی تکالیف کا بدلہ لینے کے واسطے خدا نے کیسا موقع دیا کہ سب مخالف و معاند پابہ زنجیر ہاتھ باندھے کھڑے ہیں لیکن آپ کی رحمت اور رأفت گوارا نہیں کرتی کہ اپنی قوم کو اس دردناک حالت میں دیکھے اور معافی نہ دے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حالت میں لائے گئے کہ وہ ابھی تک دولتِ اسلام سے محروم رہنے کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرا کر اُن کا مُثلہ بھی کرا چکے تھے۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو مختلف قسم کی تکلیفیں پہنچا چکے تھے اور پھر

اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ صحابہ کرام کو شہید کر کے اُن کے ہاتھ پاؤں، ناک، کان وغیرہ کاٹ کر ذلت کی جاتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضہ کے آتے ہی نرمی کے ساتھ فرمایا کہ اے ابوسفیان! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تو صدقِ دل سے توحیدِ الٰہی اور میری رسالت کا اقرار کرے۔ حضرت ابوسفیان رضہ نے کہا:

بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ مَا اَحْلَمَكَ — میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں،
وَاَوْصَلَكَ وَاَكْرَمَكَ — آپ کتنے حلیم، صلہ رحمی کرنے والے اور کرم فرمانے والے ہیں۔

حضرات! اس سے بڑھ کر آپ کی فضیلت پر کونسی دلیل ہوگی کہ دشمن بھی باوجود عداوت کے آپ کے حلم و کرم کی بے اختیار تعریف بجا لا رہے ہیں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ ع

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ — (انسان کے لیے فضیلت یہ ہے کہ دشمن بھی اس کی فضیلت کی گواہی دیں)

اس طرح کے سینکڑوں واقعات ہیں جن کے لکھنے کی اختصار ہمیں اجازت نہیں دیتا۔

۳۵۔ حبیبِ خدا اشرفِ انبیاء رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بنی اسرائیل کی فضیلتوں کا ذکر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خداوندِ عالم نے جس قدر میری امت کو فضائل عنایت کیے ہیں اور جس قدر اس پر اپنی عنایتیں اور شفقتیں فرمائی ہیں، اور کسی پر نہیں، بنی اسرائیل میں جب کوئی گناہ کرتا تھا تو صبح ہی اس کے دروازے پر خدا کی طرف سے اس کی ذلت و رسوائی مرقوم ہو کر ہر کس و ناکس پر ظاہر ہو جاتی تھی اور دین و دنیا میں وہ شرمندہ ہو کر منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا تھا اور اُن کی قربانی کی قبولیت کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنی قربانیوں کو ایک مقرر جگہ پر رکھ

آتے تھے، خداوند تعالیٰ کی طرف سے ایک آگ نازل ہوتی تھی جو مقبول قربانیوں کو ہلاک کر جاتی تھی اور ان لوگوں کی جو قربانیاں مردود ہوتی تھیں وہ اسی طرح صحیح و سالم پڑی رہتی تھیں۔ گنہگار لوگ اپنی قربانیوں کو اسی طرح دیکھ کر ذلت و رسوائی کے خوف سے اپنے وطنِ مالوف کو چھوڑ کر عزیز و اقارب کو خیرباد کہہ دیتے تھے اور اُن کی ندامت ایسی حاوی ہوتی تھی کہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے تھے۔ اور اگر اُن کے بدن یا کپڑے کو پیشاب لگ جاتا تھا تو حکم تھا کہ بدن یا کپڑے کو وہاں سے کاٹ دیا جائے اور اُن کی توبہ یہ تھی کہ نیک آدمی اپنے گنہگار بھائی یا اپنے گنہگار والدین کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے اور اُس میں دونوں کا امتحان تھا تاکہ معلوم ہو کہ اتباعِ شریعت میں کہیں اخوت، ابوّت سدِ راہ ہو کر مانع تو نہیں ہوتی۔ اور اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تھا تو اس کا عوض بھی اس کو "صرف" قتل کرنا تھا۔ اور ان میں دِیَت (روپے کا ادا کرنا) یا خون کو معاف کر دینا بالکل نہیں تھا بلکہ اُن پر ضروری تھا کہ مقتول کے عوض قاتل کو قتل کر دیا جائے اور اگر بُرے کام کا ارادہ بھی کرتے تھے تو وہ اُن کے نامۂ اعمال میں برابر لکھا جاتا تھا۔

علامہ فریابی اپنی تفسیر میں محمد بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ خداوندِ تعالیٰ نے کسی نبی اور کسی رسول کو اس آیت شریف کے مضمون کے بغیر نہیں بھیجا:

إِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ
اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ
اللّٰهُ (پارہ ۳، سورہ البقرہ: ۲۸۴)

"اگر اپنے دلوں کی بات کو تم ظاہر کرو یا چھپاؤ، خدا تعالیٰ تم سے اس کا ضرور حساب لے گا۔"

——— اُممِ سابقہ انبیاءِ کرام کو کہتی تھیں کہ جو باتیں ہمارے دلوں میں ہیں اور ہم نے ان پر عمل نہیں کیا، کیا اُس پر بھی ہم ماخوذ ہوں گے؟ اسی بنا پر وہ کفر کرتے تھے اور گمراہ ہو کر دوسروں کو بھی گمراہ کر دیتے تھے۔

اب یہاں حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت دیکھئے اور آپ کی افضلیت کا موازنہ کیجئے کہ پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر کسی قسم کا غم و فکر نہ ڈالنے کے لیے آپ کی گنہگار امت کی بنی اسرائیل کی طرح اُن کے دروازوں پر گناہ لکھ کر پردہ دری نہیں کی جاتی اور امتِ مرحومہ کی توبہ کا یہ طریقہ مقرر کیا گیا ہے کہ بصدقِ دل ندامت اختیار کرنے سے سب گناہ کافور ہو جاتے ہیں۔ اور قربانی کرنے سے بھی کسی قسم کی ذلت و رسوائی بین الخلائق نہیں ہوتی کیونکہ جو وہاں طریق تھا وہ یہاں نہیں ہے، صرف اتنی بات ہے کہ تم قربانیوں کو مولا کی راہ میں قربان کر دو، وہ خود قبول کرے گا۔ اس حکم میں بھی امتِ مرحومہ کے نیک اور بد مستور الحال رہتے ہیں۔ اسی طرح بدن یا کپڑے پر پیشاب لگنے کے وقت صرف اس کو دھو دینے کا ہی حکم دیا گیا ہے۔ قتلِ عمد کے وقت یہاں یہ سہولت ملحوظ رکھی گئی ہے کہ مقتول کے وارث مختار ہیں، خواہ مقتول کے عوض قاتل کی جان لیں یا اُس سے اس کی قیمت یعنی دیت لے لیں یا بالکل ہی معاف کر دیں۔ اور اسی طرح سے بُرے کام کے ارادے پر اُن کے نامۂ اعمال میں کوئی بُرائی نہیں لکھی جاتی اور اگر نیکی کرے تو لکھی جاتی ہے۔ پہلی امتوں پر ایک نیکی کے عوض میں ایک نیکی لکھی جاتی تھی اور صرف برے ارادے پر گناہ اُن کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا تھا خواہ مابعد ارادے کو بدلیں یا نہ بدلیں۔

امتِ مرحومہ کی شرافت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت امام بیہقی نے وہب بن منبہ سے جو حدیث نقل کی ہے، صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے یعنی خداوند عالم نے جب موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے مولا! میں توریت میں دیکھتا ہوں کہ ایک امتِ مرحومہ کے اوصاف اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ وہ نیک کاموں کی ترغیب دے گی اور بُرے کاموں سے منع کرے گی اور تجھ پر بصدقِ دل ایمان لائے گی، اس کو

میری اُمّت قرار دے۔ فرمایا کہ وہ اُمّت میرے پیارے حبیب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت ہے، پھر عرض کی کہ میں توریت میں پاتا ہوں کہ وہ اُمّت اپنے سینوں میں کتابِ الٰہی رکھے گی اور صبح و شام اُس کا ورد کرے گی، ایسی اُمّت کو میری اُمّت مقرر فرما کر مجھے مشرّف فرما، فرمایا! وہ اُمّت میرے پیارے حبیب ؐ کی اُمّت ہے، پھر عرض کی کہ میں توریت میں یہ بھی پاتا ہوں کہ ایک ایسی اُمّت ہے جو کہ کتابِ اوّل و آخر پر ایمان لائے گی اور مشرکوں اور کافروں کو قتل کرے گی، یہاں تک کہ دجالِ اعور (کانا دجال)، کو بھی جہنّم رسید کرے گی، میری تمنا یہ ہے کہ مجھے یہ اُمت بخشی جاوے۔ فرمایا! اس اُمت کا سردار میرا حبیب سیّد الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر التجا کی کہ میں توریت میں ایک اُمّت کا یہ بھی وصف پاتا ہوں کہ وہ اپنے صدقات خود کھائیں گے اور آگ آسمان سے اُتر کر پہلی اُمتوں کے صدقات کی طرح ان کو نہیں کھائے گی۔ (کیونکہ پہلی اُمتیں اس طرح صدقہ دیتی تھیں کہ صدقہ کو باہر رکھ دیتی تھیں۔ اور آگ آکر کھا جاتی تھی، وہ صدقہ مقبول ہوتا تھا اور جس صدقہ کو آگ نہیں کھاتی تھی وہ صدقہ مردود ہوتا تھا، وہ آدمی لوگوں میں ذلیل و رسوا ہوتا تھا۔) جواب ملا کہ یہ اُمت بھی وہی اُمت ہے جس کا سالارِ قافلہ شفیع المذنبین، نذیر و بشیر محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ پھر عرض کیا کہ میں توریت میں ایک اُمت اس شان کی پاتا ہوں کہ اگر وہ بُرے کام کا ارادہ بھی کرے گی تو نامۂ اعمال میں درج نہیں ہوگا، اگر وہ اس پہ عامل ہوگی تو ایک ہی گناہ نامۂ اعمال میں درج ہوگا۔ اگر نیک فعل کا قصد کرے گی تو پھر بھی باوجود نہ عمل کرنے کے ایک نیکی لکھی جائے گی۔ اور اگر اس ارادۂ نیک پہ عامل ہوگی تو اس کے عوض کم از کم دس نیکیاں اور پھر حسبِ مراتب سات سو سے نیکیوں تک متجاوز ہوں گی، مجھے اس اُمّت کا رسول مقرر فرما، فرمایا! یہ اُمّت احمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

پھر عرض کیا کہ توریت میں ایک اُمّت ہے جن کی دعائیں قبول ہوں گی اور اوصافِ حسنہ سے موصوف ہوں گی، فرمایا یہ اُمّت روزِ اوّل سے پیارے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مقرر ہو چکی ہے، یہ کسی اور کو میسّر نہیں ہو سکتی۔ پھر آخر میں حضرت کلیم اللہ ؑ نے عرض کی کہ یہ امت میرے نصیب میں نہیں ہو سکتی تو پھر مجھے اُس اُمّت کے افراد میں ہی شامل فرما اور اپنے پیارے احمد مجتبیٰ، محمد مصطفٰے، صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا فخر عطا کر! فرمایا، وہ پیارا نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم آخری وقت میں آئے گا اور تمہاری رسالت کا اب وقت ہے اس لیے تم اُس کی اُمّت نہیں ہو سکتے، ہاں دار الجلال میں تم دونوں کو عنقریب ہی جمع کر دوں گا، پس اسی آرزو پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خداوند کریم نے دو نعمتیں عنایت کیں، فرمایا :-

يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ	"اے موسیٰ! میں نے تجھے لوگوں سے
عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَ	چُن لیا اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے،
بِكَلَامِىْ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ	تو لے جو میں نے تجھے عطا فرمایا اور شکر
وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ	والوں میں ہو۔"

(پارہ ۹ سورۃ الاعراف آیت ۱۴۴)

جواباً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی قَدْ رَضِيْتُ يَا رَبِّ (اے مولیٰ جو تُو نے مجھ کو رسالت و مکالمت کا شرف بخشا ہے میں اس پر راضی ہوں)۔

۳۶ ۔ نبی کریم رسولِ اعظم محمد مصطفٰے، صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا یہ بھی ایک بدیہی نشان ہے کہ آپ کی شریعت بہ نسبت شرائعِ سابقہ اکمل اور جامع ہے جو امورِ مستحسنہ و اوصافِ جلیلہ دوسری شرائع میں تھے وہ سب شریعتِ نبوی میں جمع کر دئیے گئے اور فطرت و اخلاق و تمدّنِ انسانی کے مطابق شریعت غرّا نے احکام صادر فرمائے ہیں، اگر سابقہ شرائع کی طرح محض احکامِ جلالیہ و جمالیہ سے یہ شریعت موصوف ہوتی تو پھر اس اُمّتِ مرحومہ کا

اِس پر عامل ہونا کارے دارد والا معاملہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت مطہرہ محض جلال وقہر کی مظہر تھی، متبعین کو حکم تھا کہ توبہ میں اپنی جانوں کو قتل کریں، چربی اُن پر حرام کی گئی تھی اور حیوانِ ذوات الظفر (ناخنوں والے حیوان) ممنوع تھے اور غنائم کا مال (غنائم غنیمت کی جمع ہے۔ وہ مال جو جہاد میں دشمن کا ہاتھ لگے۔) اُن پر حرام تھا، عقوبتیں (عذاب) اُن پر دنیا ہی میں نازل ہوکر اُن کا ستیاناس کر دیتی تھیں، انہوں نے ایسی سخت تکالیف اور بوجھ اٹھائے جن کے اٹھانے سے ہماری طبیعت عاجز نظر آتی ہے اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے رُعب و دبدبہ والے تھے کہ اُن کی طرف نظر اٹھانا مشکل ہوتا تھا اور اُن کے ہیبت وجلال کے باعث اُن کے پاس بیٹھنے سے خوف معلوم ہوتا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مظہر جمال تھے اور اُن کی شریعتِ غرار بھی جمال ہی کا نمونہ تھی۔ اور فضل واحسان سے مملو تھی۔ اس میں لڑنے جھگڑنے کا حکم قطعاً بند تھا اور قتل وتخریب سے بالکل ممانعت تھی۔ اور ہر وقت نرمی واحسان کی ہدایت تھی ـــ انجیل میں مرقوم ہے کہ اگر تجھے کوئی دائیں رخسار پر طمانچہ مارے تو تُو اس کے آگے بایاں رخسارہ بھی کر، اگر تجھ سے کوئی کپڑا چادر وغیرہ چھینے تو تُو تہبند و دستار وغیرہ بھی اس کے حوالے کر دے، اگر تجھے کوئی مجبور کرے کہ میرے ہمراہ ایک میل چل تو تُو اس کے ساتھ دو میل جا۔ الغرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت فضل واحسان تھی اور اس میں وہ مشقتیں اور تکلیفیں نہ تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تھیں۔

اب رسولِ اکرم حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت دیکھئے کہ وہ رحمت وشدت دونوں کی جامع ہے اور عدل وانصاف کی ہادی ہے یعنی شریعت مطہرہ میں عدل وانصاف واجب وفرض ہے اور فضل واحسان مستحب ہے۔ اور سختی کی جگہ سختی اور نرمی کی جگہ نرمی کا استعمال کرنا قانونِ محمدی ہے۔ مثلاً

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔ — "اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے"

(سورۃ الشوریٰ: ۴۰)

عدل وانصاف ہے۔

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ — "تو جس نے معاف کیا اور کام سنوارا تو اُس کا اجر اللہ پر ہے۔"

(پارہ ۲۵ ۔ سورۃ الشوریٰ: ۴۰)

پس یہ احسان بشرع ہے۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ — "بے شک اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا!"

(سورۃ الشوریٰ: ۴۰)

ظلم کے حرام ہونے پر صریح دلیل ہے۔

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ (سورۃ النحل: ۱۲۶) — "اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر کرنے والوں کو صبر سب سے اچھا ہے۔"

فضل واستحباب کی راہ دکھا رہی ہے۔ شریعت مطہرہ قانونِ احمدی نے طیبات کو حلال قرار دیا اور خبائث ونجس اشیاء کو حرام مقرر فرمایا۔

حضرت رسول اکرم افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوندِ عالم نے اُن محاسن وشمائل سے مزین فرمایا جو کہ جلال وجمال دونوں کے جامع تھے۔ مقام جلال میں جلالیت سے کام لیا جاتا ہے اور مقام جمال میں جمالیت کو استعمال کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ شارع اور اس کی شریعت ہر صفت حسنہ سے موصوف اور ہر مکروہ امر سے متنفر و بیزار تھے اور جو فضائل و خصائل حمیدہ انبیائے کرام وشرائع ماضیہ میں متفرق طور پر تھے وہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں جمع تھے۔

۳۷۔ پہلی اُمتیں جب حد سے زیادہ رسولوں کی نافرمانی کرتی تھیں اور نبی بھی تنگ آ

جاتے تھے تو اس وقت وہ رسول بد دعا مانگتے تھے کہ عذابِ عام دنیا میں ہی نازل ہو کر پلید اور نافرمانوں کا قلع قمع کر دے۔

حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ہودؑ اور حضرت شعیب علیہم الصلوات والتسلیمات کی قوموں کا حال ملاحظہ ہو کہ یہ سب بباعثِ نافرمانی نیست و نابود ہو گئیں اور اُن کا زمانہ میں نام و نشان بھی نہ رہا۔

ہمارے نبی افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دیکھئے اور ان کی رحمتِ واسعہ کا خیال کیجیے کہ آپ کی ذاتِ گرامی نے یہ گوارا نہ کیا کہ آپؐ بھی اپنی نافرمان اُمّت کے حق میں بد دعا کر کے دنیا ہی میں عذاب کے ذریعے ستیاناس کر دیں بلکہ آپؐ نے اپنی جان پر تکلیفیں اٹھائیں، پتھر کھائے، زخمی ہوئے لیکن اُمّت پر بد دعا نہ کی۔ صرف یہی نہیں کہ آپؐ کے زمانہ تک عذاب کا نہ آنا تھا اور آپؐ کی رحلت مبارک کے بعد سابقہ امم کی طرح اُمّتِ نافرمان پر عذابِ الیم نازل ہو گا۔ ایسا نہیں بلکہ قیامت تک قرآن پاک کے وعدہ کے مطابق نبی رحیمؐ کی اُمّتِ مذنبہ اس عذابِ عام سے محفوظ و مامون رہے گی۔ یہ بھی آپؐ کی افضلیت و عظمت کی اعلیٰ نشانی ہے کہ آپؐ نے سابقہ رُسلِ عظام کی طرح جلدی بد دعا کر کے اپنی اُمّت کو عذابِ عام کا مورد نہیں بنایا بلکہ یہ ثابت کر دکھایا کہ میںؐ ہی ان سب کا سردار اور میںؐ ہی ان سب کا مقتداء اور پیشوا ہوں کہ ہر ایک امر کو اپنی شان کے مناسب زیرِ عمل کر کے اپنی فضیلت کو بالبداہت ظاہر کرتا ہوں۔

۳۸۔ ایک لمبی حدیث میں نبی کریم و رحیم صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے کہ میری اُمّت ہر ایک نبی کی اُمّت سے قیامت کے دن کمیت (اندازہ) میں زیادہ ہو گی یعنی جس قدر میری اُمّت کے افراد ہوں گے اور کسی کی اُمّت کے نہیں ہوں گے۔ اور دوسری حدیث میں منقول ہے کہ اَلدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ (بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا بھلائی کرنے والے کی مانند ہے) اور یہ امر مسلّم ہے کہ آپؐ

کی اُمّت جب سب سے زیادہ ہو گی تو باعتبار اعمالِ صالحہ بھی سب پر فائق ہو گی اور مطابق حدیثِ ثانی آپؐ کی اُمّت کے سب اعمالِ صالحہ کا ثواب، آپؐ کو بھی برائے رفعتِ شان و علوِّ مکان دیا جائے گا۔

ان دونوں حدیثوں کو ملا کر روزِ روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ باعتبارِ اعمالِ صالحہ و کثرتِ ثواب بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء پر فائق ہوں گے۔ اسی رفعتِ شان و علوِ مکان کو شبِ معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام دیکھ کر بسبب غبط (رشک کی وجہ سے) رو پڑے تھے کہ یہ پیارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ دنیا میں تھوڑی دیر رہے گا لیکن پھر بھی اس کی اُمّتِ صالحہ میری اُمّت سے زیادہ جنّت میں داخل ہو گی۔ اور آپؐ کو وہ مراتب و مناصب عنایت ہوں گے جس سے باقی سب حضراتِ انبیاء کرام خالی ہوں گے۔ کاش کہ مجھے بھی یہ مرتبہ عطا ہوتا اور میری اُمّت بھی اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کی طرح کثرت سے جنت میں داخل ہوتی۔

پہلے انبیاء کرام و رُسل عظام کی کتابیں تغیّر و تبدل سے محفوظ نہ رہیں بلکہ جس کسی نے چاہا اپنی حسبِ منشا کمی و زیادتی کر کے اپنا مطلب پورا کر لیا۔ انجیل کو آپ غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی "تاریخی کتاب" ہے اور اس میں انسانوں کے الحاقی جملے کثرت سے ہیں۔ بعض منصف پادری بھی اپنی تصانیف میں اس امر کا صاف طور پر اقرار کرتے ہیں کہ انجیل تغیرِ انسانی سے محفوظ نہیں رہی۔ غور کیجیے تو اس تغیر کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مطابق آیتِ شریفہ

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ (پارہ ۶: المائدہ: ۴۴) "ان سے کتاب اللہ کی حفاظت چاہی گئی تھی"۔

کتبِ سابقہ کی محافظ پہلی اُمّتیں تھیں اور وہ امتیں بباعثِ ضعفِ انسانی اُن کی حفاظت کا حق کما حقہ ادا نہ کر سکیں۔ عدمِ حفاظت کے باعث ہی کتبِ سابقہ اس

بات کی مستحق نہ رہیں کہ اُن کو "کُتبُ الٰہیہ" کا خطاب دے دیا جائے ۔ اب یہاں
حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب مجید کی حفاظت کا مطابق :

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ	بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم نے
اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (حجر: ۹)	اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں

خود خداوند عالم جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے ذمہ لیا ہوا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ عرصہ ۱۳۳۲ سال سے لے کر آج تک اس کتابِ الٰہی کی زیر و زبر میں فرق نہیں آیا ۔

مخالفین نے سر توڑ کوششیں کیں کہ اس پر بھی اپنا ہاتھ صاف کریں ۔ لیکن وہ کس طرح یہ کام کر سکتے تھے جبکہ خود اس کا مالکِ حقیقی قیامت تک اس کا متکفل ہو رہا ہے ۔

خصائص کبریٰ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک فصیح و بلیغ یہودی نے خلیفہ مامون کے دربار میں حاضر ہو کر ایسی عمدہ کلام کی اور فصاحت و بلاغت سے مافی الضمیر کو اس طرح ظاہر کیا کہ مامون کو اس کے حُسنِ کلام کا اعتراف و اقرار کرنا پڑا ۔ مامون نے یہودی سے کہا کہ تم اسلام سے مُشرّف ہو جاؤ ! کیونکہ نجات اسی میں ہے اور یہی دین مستقیم اور محفوظ عن التغیر والتبدل ہے ۔ اس نے انکار کیا اور واپس چلا گیا ۔ عرصہ کے بعد جب پھر وہ یہودی دربارِ خلیفہ میں حاضر ہوا تو اس وقت مسلمان ہو چکا تھا ۔ خلیفہ نے اس کی حالت دیکھ کر دریافت کیا کہ سناؤ تم مسلمان کیسے ہوئے ؟ اور اس نعمتِ عظمیٰ سے کیسے بہرہ ور ہوئے ؟ یہودی نے کہا ، یہاں سے واپسی پر میرے دل میں خیال آیا کہ مذاہب کی تحقیق کرنی چاہیئے اور اُن کو اچھی طرح پرکھنا چاہیئے تاکہ تحقیق و تفتیش کی کسوٹی پر جو مذہب پورا اترے اس پر ایمان لانا چاہیئے اور اسی پر زندگی بسر کرنی چاہیئے ۔ میں نے تحقیق کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ توراۃ کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر اور اس میں بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملا کر یہودیوں کے معبد میں جا کر بڑے بڑے علماءِ یہود کے پاس اس کو فروخت کر آتا تھا اور وہ بغیر کسی چون و چرا یا تفتیش و تحقیق کے اس کو خرید لیتے تھے اور

اس کو اپنا معمول بنا لیتے تھے ۔ جب میں نے یہود کی یہ حالت دیکھی تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ مذہب قابلِ اعتماد نہیں اور اس سے رُوگردانی ہونا چاہیئے کیونکہ مذہب کا دارومدار اس کی کتاب پر ہوتا ہے ۔ جب میں نے اس کتاب میں کمی و بیشی کر دی اور اس پر کسی نے مواخذہ نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ یہ مذہب مختلط اور مشکوک ہے ۔

پھر میں نے مذہبِ نصاریٰ کی طرف توجہ کی اور ان کی کتاب انجیل کو لکھ کر اس میں بہت سی جگہوں پر تحریف و تنسیخ کر کے ایک مخترع اور مختلط انجیل کی شکل دے کر کلیسا میں راہبوں کے پاس فروخت کر دیا ۔ انہوں نے بھی بغیر کسی جرح و قدح اور حیل و حجت کے اس کا خیر مقدم کیا ۔ اور بڑی محبت و تپاک کے ساتھ اس کو خرید لیا ۔ جب میں نے مذہبِ نصاریٰ اور کتابِ نصاریٰ کی یہ کیفیت ملاحظہ کی تو یہاں سے بھی دل متنفر ہو گیا ۔

اب مجھے خیال آیا کہ مذہبِ اسلام اور اہلِ اسلام کی کتاب کا امتحان لینا چاہیئے کہ یہ بھی پہلے مذہب کی طرح غل و غش (فریب اور کھوٹ) سے بھرا ہوا ہے یا کدورتوں اور خرابیوں سے پاک و صاف ہے ۔ میں نے حسب سابق قرآن مجید کو بھی بہت سی من گھڑت باتیں ملا کر لکھا اور علمائے اسلام کے پاس اُن کی متبرک کتاب اور اُن کے دین کی بنیاد کو فروخت کرنے کے لیے لے گیا ۔ حضرات علمائے کرام نے جب اس کو کھول کر دیکھا اور پڑھا تو اس میں تغیر و تبدل کے نشانات دیکھ کر مخترع قرآن کو جان لیا اور کہا کہ جس کتاب پر دین محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دارومدار ہے وہ یہ نہیں ۔ جس کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے کر احکام الٰہی کی تبلیغ کرنے آئے تھے وہ تحریف و تغیر سے قیامت تک موافق وعدۂ الٰہی مصؤن ہے اور یہ نسخہ مکتوبہ تمہارے اختراعی جملوں سے معمور ہے ، اس لیے یہ قابل التفات نہیں کہ اس کو خریدا جائے اور اس پر نظرِ عزت ڈالی جائے ۔

میں نے اس صادق کتاب کی یہ حالت دیکھ کر اسی وقت بہ تصدیقِ دل کلمۂ شہادت

پڑھا اور دل و جان سے تصدیق کیا کہ اگر کوئی مذہب سچا، کوئی دین برحق اور کوئی رستہ مقصودِ حقیقی کو پہنچانے والا ہے تو یہی مذہب اسلام ہے کیونکہ میں نے ہرچند کوشش کی کہ اس میں تغیر و تبدل ہو لیکن میری ایک نہ چلی۔ معلوم ہوا کہ باقی تمام مذاہب تغیر و تبدل کو قبول کر سکتے ہیں مگر صرف اسلام ہی برگزیدہ دین ہے جو اس عیب و نقص سے منزّہ و مبّرا ہے۔

اسی طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن سے صاف طور پہ واضح ہوتا ہے کہ کتبِ سابقہ میں معاندین تغیر و تبدل کر کے اپنی مراد کو پا گئے لیکن اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اس محمدی کتاب میں زیر و زبر کا فرق بھی نہ ڈال سکے کیونکہ خداوندی طاقت کے سامنے بھلا کس کی جرأت ہے کہ اس کے خلاف کوئی ایسا کام کرے جس میں اُس کی رضامندی نہ ہو۔

۳۹۔ حضرات آپ نے افضل دین، افضل کتاب اور افضل رسول کا علم حاصل کرنا ہو تو اس کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ صفحۂ ہستی پہ جتنی الہامی اور غیر الہامی کتابیں موجود ہیں ان سب کو سمندر میں نیست و نابود کر دیا جائے اور دنیا میں کتابوں کے ظاہری وجود کے اسباب (قلم، دوات، کاغذ، سیاہی، کاتب، مطابع وغیرہ) مفقود ہو جائیں تو اُس وقت شمعِ عقل کو جلا کر نظرِ انصاف سے دیکھ لو کہ باوجود اس قدر سعیٔ بلیغ کے کہ دنیا میں کوئی کتاب باقی نہ رہے تو پھر کون سی کتاب اپنی ابدی زندگی کا ثبوت دے کر صفحۂ ہستی پر جلوہ افروز رہتی ہے۔ ہر موافق و مخالف کو صاف طور پر اس امر کا اقرار کرنا پڑے گا کہ زندہ دین اور زندہ کتاب اور صحیفۂ الٰہیہ اہلِ اسلام کے پاک سینوں میں موجود ہے جس کو نہ گھن خراب کر سکتا ہے نہ ہوا اثر پذیر ہو سکتی ہے نہ پانی و آگ وہاں اپنی قوت ظاہر کر سکتی ہے۔ پھر یہ کتابِ خداوندی جس کا رسول افضل المرسلین سید الاولین والآخرین سے موصوف ہے، اس کے حافظ ہر ایک ملک ہر ایک شہر ہر ایک قصبہ ہر ایک گاؤں میں بوڑھوں سے

لے کر بچوں تک موجود ہیں اور شب و روز اس کی تلاوت میں مصروف رہتے ہیں۔ پھر یہی نہیں کہ صرف جماعتِ مرداں ہی اس شرف سے مشرّف ہے بلکہ فرقۂ اناث (عورتوں کی جماعت) میں بھی ہزاروں بلکہ لاکھوں عورتیں موجود ہیں جن کے سینوں میں یہ امانتِ خداوندی محفوظ ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ امانت اس شخص کے حوالہ کی جاتی ہے جس کو امین سمجھا جاتا ہے ——— اہلِ اسلام میں بھی بعض ایسے گروہ موجود ہیں جو اپنی سرکشی و طغیانی کے باعث اس نعمتِ عظمٰی سے محروم رہ کر امین کے لقب سے نامراد رہے ہیں۔ وہ اپنی طرف سے پوری کوشش کرتے ہیں کہ اس کو اپنے سینے میں محفوظ رکھ کر خیانت کے دھبہ سے بری ہو جائیں لیکن اس خائن گروہ کو مولیٰ کریم نے آج تک اس دولتِ عظمٰی سے سرفراز نہیں فرمایا کیونکہ وہ امین نہیں ہیں۔

حضرات! آپ دیہات میں چلے جائیں تو آپ کو اہلِ اسلام کے چھوٹے چھوٹے بچے بکثرت ملیں گے جن کے سینوں میں کتابِ الٰہی بغیر کسی عیب و نقصان کے محفوظ ہو گی۔ کتنا ہی مہیب انسان کیوں نہ ہو، جب اُن کے سامنے قرآن شریف کی قرأت کے وقت زیر و زبر کی غلطی کرے گا تو بلا روک ٹوک جھٹ چھوٹا سا حافظِ قرآن بچّہ اس کو بند کر دے گا کہ تم فلاں جگہ سے غلط پڑھتے ہو یا بالفرض مطبع میں کوئی اعراب کی غلطی طبع ہو جائے یا کوئی ملحد اپنی طرف سے پاک معصوم کتاب میں کمی و زیادتی کرے تو اس وقت سب چھوٹے بڑے کہہ دیں گے کہ اس میں یہ غلطی ہے اور فلاں جگہ اس میں نقصان واقع ہوا ہے۔

اس الٰہی کتاب کی خدائی حفاظت دیکھئے کہ ایک جماعتِ حفاظ اسی کام پر مقرر ہے کہ قیامت تک شب و روز اس کے الفاظ و اعراب کی نگہبانی کرے اور سلسلہ بہ سلسلہ اپنے جانشین اسی کام پر چھوڑتی جائے تاکہ اس میں سرِ مو فرق نہ آئے۔ جماعتِ

علماء تعلیم معانی کے لیے مقرر ہے۔ فرقۂ قرّاء اس کتاب کے حروف اپنے مخارجِ صحیحہ سے ادا کرنے کے لیے مامور ہے، غرض خداوندِ عالم نے اس کی حفاظت کے لیے خود بخود ایسے اسباب مہیا کیے ہیں اور اس عمدہ طریق سے اس کی نگہبانی کی جاتی ہے کہ عقل حیران ہے۔ اور بلا توقف یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہی کتاب افضل اور یہی رسول افضل ہے۔ کسی کتاب کو یہ شرف حاصل نہیں کہ اس کے الفاظ و اعراب کی حفاظت اس خاص طریق پر کسی جبر و اکراہ کے بغیر شب و روز کی جاتی ہو یا وہ کتاب اُن کو حفظ ہو، انجیل و توراۃ و زبور آج کل دیکھی جاتی ہیں۔ اُن کی حفاظت کے لیے لاکھوں روپے مختلف مصارف میں خرچ ہوتے ہیں، پادریوں کی تنخواہیں مقرر ہیں کہ لوگوں کو انجیل سناتے پھریں، مدرسوں میں طلباء کو جبراً انجیل سنائی جاتی ہے۔ لیکن باوجود اس کوشش کے پھر بھی انجیل کسی کو یاد نہ ہوئی اور وہ تغیر و تبدل سے محفوظ نہ رہ سکی۔

معلوم ہوا کہ جو کتاب خدائی حفاظت کے سبب لاکھوں بلکہ کروڑوں کے سینوں میں بند ہے وہی کتاب حق ہے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ مذاہبِ عالم میں سوائے اسلام کے کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو اپنی حقّانیت کے ثبوت میں ایسے دلائلِ قویہ و براہینِ ساطعہ پیش کرے جن کو سُن کر سرِ تسلیم خم کرنے کے اور کوئی چارہ نظر نہ آئے۔

۴۰۔ خداوندِ جل جلالہ کو اپنے پیارے حبیب حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا جوئی اس قدر منظور ہے کہ اور کسی کی نہیں۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (پارہ ۳۰، سورۃ الضحیٰ : ۵)

"اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے"

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ صاف طور پر واضح فرما رہا ہے کہ اے حبیبؐ! ہم تجھ کو اس قدر انعامات و کرامات عنایت کریں گے کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔

معلوم ہوا کہ انعامات کی حد حضرت حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشی پر ہے اور حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام تب تک خوش نہیں ہوں گے جب تک ایک اُمتی بھی دوزخ میں رہے گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسندِ فردوس میں مروی ہے کہ جب یہ آیت شریفہ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ نازل ہوئی تو حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں راضی نہیں ہوں گا جب تک میری اُمت سے کوئی ایک بھی دوزخ میں رہے گا۔ یہ فضیلتِ خاصہ بھی ہمارے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہے۔

۴۱۔ شبِ معراج کو جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بمعیت حضرت جبرائیل علیہ السلام بیت المقدس میں رونق افروز ہوئے تو اُس وقت تمام رُسل عظام و انبیاء کرام و ملائکہ حاضر تھے۔ جب صفیں درست ہو گئیں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حبیبِ خدا افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارہ کیا کہ آپ آگے ہو کر اُن کو نماز پڑھائیے کیونکہ آپ ہی ان سب سے افضل ہیں اور آپ کے استقبال کے لیے ہی یہ سب حضرات حاضر ہیں اور آپ کی شان کے ہی مناسب خلعتِ سیادت ہے۔ آپ ہی اس منصب کے لائق ہیں کہ ان سب کے امام مقرر ہوں تاکہ امام النبیین کہلائیں۔ علامہ ابن حبیب نے کہا ہے کہ آیت وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رُّسُلِنَا (اور اُن سے پوچھو جو ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے۔ پارہ ۲۵ سورۃ الزخرف آیت ۴۵) بیت المقدس میں اُس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ تمام حضراتِ انبیائے کرام و رُسل عظام شبِ معراج کو وہاں حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء و استقبال کا فخر حاصل کرنے کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔

۴۲۔ انبیائے بنی اسرائیل، تبلیغ و دعوت کے متعلق جو حقوق ادا کرتے تھے، وہی حقوق حضرت حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علمائے ربانی قیامت تک ادا کرتے

رہیں گے۔ جن اوصافِ حسنہ سے وہ حضرات مزیّن تھے، انہی سے ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق دل و جان سے تابعِ فرمان موصوف ہیں۔ حدیث شریف عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (میرے امّت کے علماء (علم وفضل میں) انبیائے بنی اسرائیل کی مانند ہیں) اس مضمون پر صریح دال ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری غیبوبت کے بعد تلاوت و تعلیم قرآن و تزکیۂ نفوس جو آپ کی رسالت کے ساتھ وابستہ ہے، اُن کا حق کون ادا کر رہا ہے اور رسالت کا جائز وارث ہو کر کون اس ورثہ کو پہنچا رہا ہے جس کے لیے پیغمبر مبعوث ہوئے تھے، تو ہمیں کہنا پڑے گا کہ اس منصبِ جلیل کو حضرات علمائے ربّانی، جن کا ظاہر و باطن آراستہ ہے، ادا کر رہے ہیں۔ اگر ان کو تسلیم نہ کیا جائے تو تبلیغ و دعوتِ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ایک قسم کی تنقیص معلوم ہوتی ہے، گویا تبلیغ کا دروازہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی تک محدود تھا۔ اور بس، حالانکہ آپ قیامت تک تمام جن و انس کے لیے پیغمبر ہو کر تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اور قیامت تک اس حقِ رسالت کو ادا کرتے رہیں گے۔ یعنی تلاوتِ کتاب، تعلیم قرآن و حکمت اور تزکیۂ نفوس اپنی دنیاوی ظاہری زندگی میں بذاتِ خود امّت کو سکھاتے رہے۔ اور اس کے بعد بالواسطہ اپنے شاگردوں کی معرفت جن کا نام علمائے ربّانی ہے، قیامت تک اس منصبِ رسالت کو ادا فرماتے رہیں گے۔ یہ فضیلت و بزرگی بھی حبیبِ خدا کو خاص طور پر مُنعمِ حقیقی نے عطا کی ہے کہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد قیامت تک وہ کام کرتے رہیں گے جو پہلے حضرات انبیائے بنی اسرائیل بجالاتے تھے۔ فضیلت ملاحظہ ہو۔

۴۳۔ علامہ نورالدین حلبی "انسان العیون" میں لکھتے ہیں کہ بعض حفاظِ حدیث نے بھی اس کو قریب الصحۃ کہا ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ جس کے ہاں لڑکا پیدا ہو، وہ اگر میری محبت کے باعث اور میرے نام سے تبرّک حاصل کرنے کی غرض سے لڑکے کا نام "محمد" رکھے تو وہ دونوں باپ بیٹا جنّت میں داخل ہوں گے۔

علامہ قاضی عیاض، شفا شریف میں سریج بن یُونس سے روایت کرتے ہیں کہ خداوندِ عالم نے فرشتوں کی ایک جماعت کے لیے یہ عبادت مقرر کی ہوئی ہے کہ جن گھروں میں اسم "احمد" یا "محمد" کا کوئی مسمّیٰ ہو، اُن کی شب و روز حفاظت کیا کرو۔ چنانچہ وہ سیر کرتے رہتے ہیں اور اپنی ڈیوٹی پر برابر کمربستہ ہیں۔

حضرت جعفر بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن پُکارنے والا پُکارے گا کہ جس مسلمان کا نام "محمد" ہے وہ جنّت میں اس نام کی عزّت و حرمت کے باعث داخل ہو جائے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بروزِ قیامت، خداوند تعالیٰ اس شخص کو جس کا نام "محمد" ہوگا، کہے گا کہ جب تو نے میرے احکام کی نافرمانی کی تھی تو کیا تجھے شرم و حیا نہ آئی، حالانکہ تیرا نام "محمد" ہے۔ لیکن چونکہ تیرا نام میرے حبیب کا نام ہے لہٰذا تجھے عذاب دیتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اس شخص کو جس کا نام "محمد" تھا، جنّت میں داخل کر دو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر کسی قوم نے کوئی مشورہ کیا اس شخص کو (جس کا نام "محمد" ہے) اس مشورہ میں داخل نہ کیا تو وہ مشورہ باعثِ خیر و برکت نہیں ہوگا۔

علامہ اسمٰعیل حقی صاحبِ "رُوح البیان" لکھتے ہیں کہ جس شخص کی عورت حاملہ ہو اگر وہ شخص یہ نیّت کرے کہ میں اس بچّے کا نام "محمد" رکھوں گا تو خداوند تعالیٰ اس شخص کو لڑکا ہی عطا فرماتا ہے اور "رُوح البیان" میں یہ بھی لکھا ہے کہ جس کی اولاد

زندہ نہ رہتی ہو، وہ اگر یہ نیّت کرے کہ پیدا ہونے والے بچّے کا نام "محمد" رکھوں گا تو وہ لڑکا بفضلِ خدا صحیح و سالم زندہ رہتا ہے۔

حضرات! اس فضیلت و شرافت کو بھی غور سے دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے نبی "سیدالرسل افضل النبیین اکرم الاوّلین والآخرین" ہیں۔

۴۴۔ حضرتِ رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفعتِ شان و فضیلتِ کُلّی کے باعث اس امر پر علمائے محققین قاضی عیاض و ابوالولید باجی وغیرہما کا اجماع ہو چکا ہے کہ قبر شریف میں جس حصّۂ زمین کے ساتھ آپ کا جسم لگا ہوا ہے وہ جگہ تمام زمین و آسمان بلکہ کعبہ سے بھی افضل ہے۔

علامہ سبکیؒ نے ابنِ عقیل حنبلیؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ متبرک جگہ رتبہ میں لوح، عرش، کرسی سے بھی اعلیٰ و افضل ہے۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ آسمان، زمین سے افضل ہے لیکن وہ متبرک جگہ جہاں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ اقدس ملحق ہے، تمام آسمانوں سے افضل و اشرف ہے۔ علامہ طحاوی نے بعض شافعیہ سے نقل کیا ہے کہ تمام راتوں سے افضل وہ رات جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے، اس کے بعد لیلۃ القدر، پھر شبِ معراج پھر عرفہ کی رات، پھر جمعہ کی رات، پھر شبِ برأت، پھر لیلۃ العید یکے بعد دیگرے فضیلت میں متفاوت ہیں۔ غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ سب زمانوں سے افضل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان سب مکانوں سے اشرف و افضل ہے۔

۴۵۔ ہماری سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اس وجہ سے بھی سب سے افضل ہیں کہ قیامت کے دن مولیٰ کریم آپ کو مقامِ محمود عنایت فرمائے گا اور وہ مقام ایسا مقام ہے کہ تمام حضرات انبیاء کرام (گذشتہ و پیوستہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رشک اور تمنّا کریں گے کہ ہم کو بھی یہ مقام نصیب ہو۔ کسی شاعر نے اس بات کو شعرِ ذیل میں یُوں بیان کیا ہے ؎

هٰذَا الْمَقَامُ الَّذِیْ مَانَالَہٗ اَحَدٌ
سِوٰی مُحَمَّدِنِ الْمَبْعُوْثِ بِالْحِکَمِ

"مقامِ محمود حبیبِ خدا اشرفِ انبیاء حضرتِ رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔"

حضرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و محاسن احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے نامدار متقدمین و متاخرین اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے عجز و انکسار کا اظہار کر کے اپنی تصانیف کو نامکمل چھوڑ گئے ہیں۔ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہایت عمدہ دو شعر اجمالاً کہے ہیں ؎

وَ اَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِیْ!!
وَ اَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ
کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ

"آپ سے زیادہ حسین کبھی آنکھوں نے نہیں دیکھا اور آپ سے جمیل کسی عورت نے فرزند نہیں جنا۔ آپ تو تمام عیوب و نقائص سے مُبرا و منزہ پیدا کئے گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی حسبِ منشا پاک اوصاف اخلاقِ حسنہ سے مزین، فضائل و محاسن سے موصوف دُنیا میں ظاہر ہوئے ہیں۔"

غرض افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب احاطۂ تحریر سے بالاتر ہیں۔

۴۶۔ حضرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت اور فضیلت و بزرگی قرآن شریف کی اس آیتِ شریفہ سے بھی واضح ہوتی ہے۔

لَا اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ ۙ "مجھے اس شہر (مکہ مکرمہ) کی قسم کہ اے
وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِھٰذَا الْبَلَدِ محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔"

(پارہ ۳۰ سورہ بلد آیت ۱:)

یعنی اے حبیبؐ! ہم مکہ مکرمہ کی قسم اس لیے نہیں کھاتے کہ اس میں کعبہ ہے۔ یا آبِ زمزم ہے یا عرفات ہے یا مقامِ ابراہیم ہے یا صفا و مروہ ہے بلکہ اس لیے قسم کھاتے ہیں کہ آپؐ اس شہر میں تشریف فرما ہیں اور آپ کی بزرگی کے باعث شہر (مکہ مکرمہ) کو بھی بزرگی حاصل ہوگئی۔ خداوندِ عالم نے کسی اور شہر کی قسم نہیں کھائی جس میں حضرات انبیاءِ کرام اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ ہمارے ہی حبیب صلی اللہ علیہ وسلم افضل المرسلین ہیں جن کی فضیلت و شرافت سے احکم الحاکمین نے مکہ مکرمہ کی قسم کھائی ہے اور مکہ مکرمہ کو یہ فضیلت ہمارے نبیِ عظیم کے باعث حاصل ہوئی ہے۔

۴۷۔ حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام تو شرحِ صدر کے لیے ربِ پاک مولا کریم سے رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ (اے میرے رب میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔ پارہ ۱۶ سورہ طٰہٰ : ۲۵) کہہ کر دعائیں مانگتے ہیں کہ اے مولٰی! مجھ کو شرحِ صدر عنایت فرما اور حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور استفہام تقریری اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔ سورہ الم نشرح آیت ۱) کی وحی نازل ہو رہی ہے۔ یعنی ہم نے آپ کے مانگے بغیر آپ کا شرحِ صدر کر دیا ہے۔ وہاں تو شرحِ صدر کی طلب تھی اور یہاں خود بخود ہی ربِ ازلی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر طلب کرنے کے شرحِ صدر عطا فرما رہا ہے۔ تفاوت ملاحظہ ہو۔

۴۸۔ خداوندِ عالم نے قرآن شریف میں حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہما الصلوٰۃ و السلام کی لغزشوں کا ذکر پہلے اور معافی کا ذکر بعد میں فرمایا ہے لیکن ہمارے سرکارِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ قدر ملاحظہ فرمائیے کہ آپ کے حق میں پہلے ہی عَفَا اللّٰہُ

عَنْكَ (اللہ تمہیں معاف کرے) پارہ ۱۰ سورۃ التوبہ آیت : ۴۳) سے معافی ظاہر کی جاتی ہے اور اس کے بعد آپ پر یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ فلاں امر میں آپ سہو پر ہو گئے تھے۔ غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے معافی کی وحی نازل فرما کر تسلی دی کہ آپ سہو سے گھبرائیں نہیں، ہم نے تو پہلے ہی معاف کر دیا ہے، پھر سہو کا ذکر کیا کیونکہ اگر اس کے برعکس پہلے سہو کا ذکر ہوتا اور پھر بعد میں معافی کا تکلم ہوتا تو سہو کا ذکر سنتے سنتے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو گھبراہٹ لاحق ہونی ممکن تھی لہٰذا اس کا تدارک فرماتے ہوئے معافی پہلے فرما دی اور سہو کا ذکر بعد میں کیا۔

۴۹۔ مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے حکمِ رب العالمین کا سہو ہو گیا تو آپ ایک مدت تک اس قصور کو معاف کرانے کے لیے عاجزی و تضرع کے ساتھ روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں کی تری سے گھاس نکل آیا لیکن قصور معاف نہ ہوا۔ آخر جب آپ نے حبیبِ خدا سید الانبیاء حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وسیلہ پکڑ کر بارگاہِ خداوندی سے معافی طلب کی تو قصور معاف ہو گیا لیکن ساتھ ہی دریافت کیا گیا کہ تم کو میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا کس طرح پتہ چلا ہے؟ عرض کیا کہ میں نے عرش پر تیرے نام کے ساتھ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک لکھا ہوا دیکھا تھا جس سے مجھے خیال پیدا ہوا کہ یہ ذاتِ گرامی رفیع القدر اور جلیل الشان معلوم ہوتی ہے۔ جس کا نام رب العالمین کے نام کے ساتھ اس طرح ملا ہوا ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ جنابِ باری نے فرمایا کہ اس اسم مبارک کا مسمّٰی تیری اولاد میں سے ہے اور اس کا ظہور آخر زمانہ میں ہوگا۔ اگر اس ہستی کا پیدا کرنا مجھے مقصود و منظور نہ ہوتا تو میں کسی چیز کو بھی پیدا نہ کرتا اور یہ زمین و آسمان بھی نظر نہ آتے۔ یہ سب کچھ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کا طوفان سے نجات پانا، حضرت ابراہیم علیہ السلام

پر آگ کا گلزار ہو جانا ، حضرت یوسف علیہ السلام کا تکالیف سے نکلنا ، حضرت ایوب علیہ السلام کا امتحان میں کامیاب رہنا ، حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش کا معاف ہونا ، سب کچھ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے تھا۔ اگر یہ وسیلہ نہ ہوتا تو سب حضرات اپنی مشکلوں سے رہائی نہ پاتے۔ ناظرین ! ملاحظہ فرمائیں کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و شرافت کس طرح واضح ہو رہی ہے۔ اور سب حضراتِ انبیاء کس طرح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کے محتاج نظر آ رہے ہیں۔

۵۰۔ خداوندِ عالم جل جلالہٗ نے اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باعتبارِ لطافتِ جسمی و طہارتِ ظاہری کے بھی تمام انبیاءِ کرام پر فضیلت عنایت فرمائی تھی۔ قاضی عیاضؒ اپنی معرکۃ الآرا کتاب شفاء شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمر بھر کوئی عنبر یا کستوری نہیں سونگھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک سے اطیب و انفس ہو۔

حضرتِ جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جو شخص حبیبِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مصافحہ کرتا وہ تمام دن اپنے ہاتھ میں حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو محسوس کرتا تھا اور اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی بچہ کے سر پر اپنا دستِ شفقت و محبت رکھتے تھے تو وہ بچہ باعتبار ایک عجیب خوشبو ، تمام بچوں سے ممتاز ہوتا تھا۔ اور ہر کسی کو معلوم ہو جاتا تھا کہ اس بچہ کے سر پر حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ رکھا ہے۔

ایک دن رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر خوابِ استراحت فرما رہے تھے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ ایک شیشی لے کر حضرت حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک جمع کرنے لگیں۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، کیا کرتی ہے ؟ عرض کیا میرے آقا و مولا ! ہم آپ کے پسینہ

مبارک کو اپنی خوشبو میں ملائیں گے تو پھر وہ خوشبو دنیا کی تمام خوشبوؤں میں ہر ایک خوبی میں فوقیت لے جائے گی۔

امام بخاریؒ نے تاریخِ کبیر میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی راستہ میں گزرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنے والے آپ کی خوشبو پاکر ڈھونڈھ لیتے تھے اور جس گلی و کوچہ میں وہ خوشبو آتی تھی ، معلوم ہو جاتا تھا کہ آپؐ اسی گلی و کوچہ میں تشریف لے گئے ہیں۔

جب کفار نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کیا تو حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون مبارک چوس لیا تھا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا تھا لَنْ تُصِيْبَهُ النَّارُ (اس کو ہرگز دوزخ کی آگ نہ پہنچے گی۔) اسی طرح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سینگی لگوائی تو حضرت عبد اللہ ابن زبیر نے آپ کا خون مبارک پی لیا تھا

حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کے دوران چارپائی کے نیچے پیشاب کے لیے ایک لکڑی کا پیالہ پڑا رہتا تھا۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ پیشاب مبارک پی لیا۔ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیالہ خالی دیکھ کر استفسار فرمایا کہ پیشاب کدھر گیا ؟ اُمِ ایمن نے عرض کیا ، یارسول اللہ ! مجھے بالکل معلوم نہ تھا کہ وہ پیشاب ہے۔ چونکہ مجھے پیاس لگی ہوئی تھی لہٰذا میں نے پی لیا۔ مرقوم ہے کہ اُمِ ایمنؓ کی اولاد میں سے اب تک قسطنطنیہ میں نسلاً بعد نسل لوگ چلے آتے ہیں جن کے بدن سے اس پیشاب مبارک کی بدولت عجیب قسم کی خوشبو آتی ہے۔

اہلِ علم شافعیہ و مالکیہ نے لکھا ہے کہ آپؐ کا بول و براز طاہر تھا ورنہ حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن صحابہ کو منع فرماتے جنہوں نے آپ کا خون اور پیشاب پیا تھا۔ یا کم از کم مُنہ دھونے کے لیے حکم فرماتے اور آئندہ ایسا کام کرنے سے روکتے

لیکن آپ نے منع نہیں فرمایا۔ پس معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون و بول پاک ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔

الغرض خدا کا حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم ظاہراً باطناً تمام کدورتوں اور مکروہ چیزوں سے پاک وصاف تھا اور بنی آدم میں جو چیزیں باعثِ نفرت معلوم ہوتی ہیں اُن سب سے ہمارا سردار منزّہ و مبرّا تھا۔ یہ فضائل و محاسن بھی ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مختص ہیں جن سے باقی سب حضرات خالی ہیں۔

۵۱۔ علامہ وہب بن منبہ فرماتے ہیں میں نے اکثر کتابیں دیکھیں، ان سب میں لکھا تھا کہ حضرتِ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک بلحاظِ عقل ورائے تمام لوگوں سے ارفع واعلیٰ ہیں بلکہ دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ ابتدائے دُنیا سے لے کر اس کے ختم ہونے تک تمام لوگوں کو خداوندِ عالم نے اس قدر تھوڑی عقل دی ہے کہ وہ حضرتِ رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عقل کے مقابلے میں ریت کے ایک ذرّہ کے برابر بھی نسبت نہیں رکھتی۔ یہ خصوصیت بھی صرف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے کہ آپؐ اندھیرے اور روشنی میں برابر ایک جیسا دیکھتے تھے اور اپنے پیچھے بھی اسی طرح اپنی نُورانی آنکھوں سے دیکھتے تھے جس طرح اپنے آگے کی چیزوں کو ملاحظہ فرماتے تھے۔

۵۲۔ علامہ طبری، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے تمام مخلوق میں سے بنی آدم کو برگزیدہ کیا اور بنی آدم میں سے عرب کو پسند فرمایا اور عرب میں سے قریش کو ممتاز کیا، قریش میں سے بنی ہاشم کو مختار بنایا، بنی ہاشم میں سے مجھ کو مصطفیٰ و مجتبیٰ قرار دیا۔

خلاصہ یہ کہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم حسب ونسب اور شرافتِ والدین کے

لحاظ سے بھی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک اشرف واعلیٰ ہیں۔ اسی مضمون کی صحیح حدیث ترمذی شریف میں بھی موجود ہے۔

۵۳۔ شفاء شریف قاضی عیاض میں ابنِ وہب سے مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ اے میرے محبوبؐ! جو کچھ مانگنا ہے مانگ لو۔ حضورؐ نے عرض کیا کہ اے مولیٰ! میں کیا طلب کروں جبکہ تُو نے حضرت نوح علیہ السلام کو صفی بنایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل پسند کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم قرار دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ (ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔ پارہ ۲۳ سورہ صٓ: ۳۵) عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے پیارے محبوبؐ! جو کچھ ہم نے آپ کو عنایت کیا ہے وہ ان سب انبیاء کے درجات و مراتب سے بڑھ کر ہے۔ تجھ کو حوضِ کوثر بخشا، آپ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا۔ زمین و آسمان میں تمہارے نام کا ڈنکا بجایا، زمین کو آپؐ کے لیے اور آپؐ کی امت کے لیے طاہر و مطہر بنایا اور اب آپؐ زمین پر پاک وصاف چلتے پھرتے ہیں اور ہم نے آپؐ کے سوا کسی رسول اور کسی نبی کو یہ فضیلت نہیں بخشی اور آپؐ کی شفاعت کو آپؐ کے لیے پوشیدہ رکھا ہے جس کے سبب آپؐ اپنی امتِ مرحومہ کو بخشوائیں گے اور یہ مرتبہ بھی کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔

۵۴۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب حضرتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اہلِ آسمان اور جمیع رُسلِ عظام و انبیائے کرام پر فضیلت بخشی ہے۔ پوچھا گیا، کس طرح؟ فرمایا خداوندِ عالم نے قرآن مجید میں اہلِ آسمان کے حق میں فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ

"جو شخص ملائکہ میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں تو پھر ہم اُس کو اس

نَجْزِیۡهِ جَهَنَّمَ ط — قول کی سزا جہنم دیں گے۔

(سورہ انبیاء آیت : ۲۹)

اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ وارد ہے۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا — بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن
لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ — فتح فرما دی تاکہ اللہ معاف فرمائے
مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ — جو الزام (ہجرت سے پہلے) آپ پر لگائے
(سورہ فتح آیت ۱۔۲) — گئے اور بعد میں لگائے گئے۔

حضرت ابن عباس رض کا مطلب یہ ہے کہ اگر ملائکہ سے کوئی خلاف کلمہ صادر ہو جائے تو وہ ماخوذ ہوں گے اور ہمارے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالفرض سہواً کوئی کلمہ خلاف صادر ہو جائے تو وہ مطابق آیت شریفہ پہلے ہی مولیٰ کریم نے اپنی عنایت سے معاف کر دیا ہوا ہے۔ اور اس پر کسی قسم کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اہل اسماء سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے کس طرح افضل ہوئے؟ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام انبیائے کرام کے بارے میں وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ (اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا - پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم آیت : ۴) فرمایا ہے۔ جبکہ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (اور اے محبوب! ہم نے تم کو ایسی رسالت عنایت فرما کر بھیجا جو تمام لوگوں کو احاطہ کرنے والی ہے۔ (پارہ ۲۲ سورۃ سبا آیت ۲۸) نازل فرمایا ہے پس معلوم ہوا کہ آپ ہر ایک نبی سے افضل ہیں۔ کیونکہ پہلے انبیائے کرام خاص خاص قوموں کی طرف مبعوث تھے اور اُن کی نبوت و رسالت کا زمانہ نہایت ہی محدود ہوتا تھا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسود و احمر، عربی و

عجمی، ترکی و تاتاری، رومی و حبشی سب قوموں اور سب زبانوں کی طرف قیامت تک رسولِ برحق ہو کر تشریف لائے ہوئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا زمانہ برابر قیامت تک چلا جائے گا۔

۵۵۔ ہمارے نبی کریم و رسول رحیم صلی اللہ علیہ وسلم سخاوت میں اعلیٰ درجہ پر ممتاز تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر سوال سُننے کے وقت کبھی بھی لفظ "لا" نہیں آیا تھا۔ جب کبھی کوئی سائل آتا تو آپ اُس کے سوال کو برضا و مسرت پورا کرتے اور آپ کے چہرۂ مبارک پر بل نہیں پڑتے تھے بلکہ آپ سائل کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے ؎

زمانہ نے زمانہ میں سخی ایسا کہیں دیکھا
لبوں پر جس کے سائل نے نہیں آتے نہیں دیکھا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے جبرائیل علیہ السلام رمضان شریف میں آتے تو اس وقت آپ تیز ہوا سے بھی زیادہ سخاوت کرتے تھے۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کو اس قدر بکریاں دیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان سما سکتی تھیں۔ وہ سائل خوش ہو کر اپنی قوم کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ اسلام لاؤ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسا جواد اور سخی ہے کہ اُس کو فاقہ کا ہرگز ڈر نہیں، وہ بلا دھڑک شب و روز سخاوت کرتا ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر و بیشتر سائلوں کو ایک ہی دفعہ سو سو اونٹ دیے تھے۔ حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے تین سو اونٹ عنایت فرمائے تھے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نوّے ہزار درہم کی کثیر رقم آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی وقت اُس کو تقسیم کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اپنے گھر کے لیے

ایک درہم بھی نہ رکھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دفعہ فرمایا کہ جس قدر سونا اٹھا سکتے ہو، اُٹھا لو۔ چنانچہ اُنہوں نے اُٹھا لیا اور بمشکل گھر تک پہنچے۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں ایک سائل آیا۔ اُس وقت آپ کے پاس اُسے دینے کے لیے رقم نہیں تھی۔ ارشاد کیا کہ میرے نام پر قرضہ اُٹھا لو، ہم ادائیگی کر دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس امر کے مکلف نہیں ہیں کہ لوگوں کو قرضہ اٹھا اٹھا کر سخاوت کریں اور اپنی طاقت (ظاہری) سے باہر جود و سخا کا اظہار فرماویں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان کلمات کو پسند نہ فرمایا۔ پاس سے ایک انصاری نے کہا، یا رسول اللہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کھلے دل سے خرچ کیجیے، خُدا کے خزانے بہت وسیع و عریض ہیں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے، تبسم فرمایا اور کہا کہ مجھے یہی حکم ہے۔ آپ کی عادتِ مبارک تھی کہ آنے والے کل کے لیے کسی چیز کا ذخیرہ نہیں فرماتے تھے۔ اس قسم کے حالات و اخبار بکثرت ہیں لیکن ہم اختصار کی خاطر اسی پر کفایت کرتے ہیں۔

۵۶۔ علامہ بیہقی، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے غزوۂ تبوک کے سفر کے وقت کا ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ ہم حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ ایک مقام پر غیب سے آواز آئی جس کے کلمات یہ تھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْ
اُمَّةِ مُحَمَّدٍ الْمَرْحُوْمَةِ
لَهَا الْمُسْتَجَابَةِ لَهَا۔

"اے میرے معبودِ برحق مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہونے کا شرف عطا فرما، وہ اُمت جس پر رحم کیا گیا ہے اور جو بخشی گئی ہے اور جس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔"

حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر مجھے حکم دیا کہ آواز کا متکلم کون ہے؟ اِدھر اُدھر

دیکھو اور پتہ لگاؤ۔ حسبِ ارشاد میں نے پہاڑ میں داخل ہو کر دیکھا کہ ایک سفید ریش سفید سر، سفید لباس میں ملبوس جس کا قد تین سو ذراع سے زیادہ تھا، یہ کلمات ادا کر رہا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا: اَنْتَ الرَّسُوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (کیا آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہیں؟) میں نے کہا "نَعَمْ" (ہاں)، اس نے کہا، تم حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر میری طرف سے آرزو کرو کہ ان کلمات کا کہنے والا تمہارا بھائی الیاس ؑ ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ملاقات کی خواہش رکھتا ہے۔ میں نے واپس آکر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سب کچھ عرض کر دیا۔ آپ پہاڑ میں تشریف لے گئے اور مجھ سے علیحدہ ہو کر حضرت الیاس علیہ السلام کے ساتھ دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ پھر آسمان سے انار، کیلا، کھجور اور مچھلی سے بھرا ہوا ایک طبق اترا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھی شریکِ طعام فرمایا۔ بعد ازاں بادل کا ایک ٹکڑا آیا جو حضرت الیاس علیہ السلام کو اٹھا کر لے گیا اور میں دیر تک اُن کے سفید کپڑوں کی طرف دیکھتا رہا۔ (خصائص کبریٰ ج ۱)

۵۷۔ صادق مصدوق محبوبِ خدا والیٔ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً نِ
الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَوْلِيَاءُ
ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ

"لوگوں میں زیادہ مصیبت و بلا والے انبیاء ہیں، پھر اولیاء پھر اُن کے ہم مثل

(الحدیث)

اور دوسری جگہ فرمایا ہے

مَا اُوْذِيَ نَبِيٌّ مِثْلَ مَا
اُوْذِيْتُ

"جس قدر مجھے ایذا دی گئی ہے اور کسی نبی کو نہیں دی گئی۔"

اور یہ بات بھی مسلّم ہے کہ رنج وغم پر زیادہ صابر، درجہ و مرتبہ میں بھی سب سے زیادہ بڑھ کر ہے تو معلوم ہوا کہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سب حضرات انبیائے کرام و رُسلِ عظام سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ آیۂ کریمہ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ اس کے سبب سے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا۔ (پارہ ۲۵ سورہ الشوریٰ آیت ۳۰) سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص زیادہ برائیاں کرے اس پر زیادہ مصیبتیں آتی ہیں تو چاہیئے کہ پہلے انبیاء و اولیاء کے سوا دوسرے لوگ بلاء و مصیبت میں گرفتار ہوں۔ بعد ازاں انبیاء و اولیاء۔ مؤخر الذکر حضرات چونکہ اضافی اور تبلیغی طور پر حق تعالیٰ کے محبوب اور اس کے خاص مقربین ہیں لہٰذا حق تعالیٰ اپنے محبوبوں اور خواص مقرّبوں کو بلیّات و رنج کے حوالے کیوں کرتا ہے اور دشمنوں کو ناز و نعمت اور دوستوں کو رنج و مصیبت میں کیوں رکھتا ہے۔؟

اس کا جواب امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرّہٗ نے ایک مرید کے سوال میں یوں ارشاد فرمایا ہے، اس کو ذرا اچھی طرح سے سُنیں اور ذہن نشین کریں تاکہ آپ کو ہر موقعہ پر یہ جواب رہنمائی کا کام دے۔

حضرت مُجدّد قدس سرّہٗ کا اپنے مرید کو جواب

آپ کو واضح ہو کہ دنیا نعمت و لذّت کے لیے نہیں ہے، وہ آخرت ہی ہے جو نعمت و لذّت کے لیے تیار کی گئی ہے۔ چونکہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد نقیض ہیں اور ایک کی رضامندی میں دوسرے کی ناراضگی ہے، اس لیے ایک میں لذت پانا دوسرے میں رنج والم کا باعث ہوگا۔ پس انسان جس قدر دنیا میں نعمت و لذّت کے ساتھ رہے گا اسی قدر آخرت میں ناز و نعمت سے محروم رہیگا۔ کاش دنیا کی بقاء کو آخرت کی بقا کے ساتھ

وہی نسبت ہوتی جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے۔ ہاں متناہی کو غیر متناہی کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔ اس لیے دوستوں کو اپنے فضل و کرم سے اس جگہ کی چند روزہ محنت و مصیبت میں مبتلا کیا تاکہ اُن کو دائمی ناز و نعمت میں محظوظ و مسرور فرمائے اور دشمنوں کو مکر و استدراج کے بموجب تھوڑی سی لذتوں کے ساتھ محظوظ کر دیا تاکہ آخرت میں بے شمار رنج والم میں گرفتار رہیں۔

سوال : کافر فقیر جو دنیا و آخرت میں محروم رہے، دنیا میں اُس کا درد مند و مصیبت زدہ رہنا آخرت میں لذت و نعمت پانے کا باعث نہ ہوا۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟

جواب : کافر خدا کا دشمن اور دائمی عذاب کا مستحق ہے، دنیا میں اس سے عذاب کا دور رکھنا اور اُس کو اپنی وضع پر چھوڑ دینا اُس کے حق میں عین ناز و نعمت اور لذت ہے۔ اسی وجہ سے کافر کے حق میں دنیا پر جنّت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ خُلاصہ یہ کہ دُنیا میں بعض کفّار سے بھی عذاب رفع کر دیتے ہیں اور لذّت و نعمت کچھ نہیں دیتے بلکہ فرصت و مہلت کی لذّت اور عذاب کے دور ہونے پر کفایت کرتے ہیں۔ لِكُلٍّ ذٰلِكَ حِكَمٌ وَّمَصَالِحُ (ہر ایک کے لیے کوئی نہ کوئی حکمت و بہتری ہے)

سوال : خداوندِ عالم سب چیزوں پر قادر ہے اور توانا ہے کہ دوستوں کو دنیا میں بھی لذّت و نعمت بخشے اور آخرت میں بھی ناز و نعمت عطا فرمائے اور ان کے حق میں ایک جگہ لذت پانا دوسرے میں دردمند ہونا، اس کا سبب کیا ہے ؟ اس کے کئی جواب ہیں :

جوابِ اوّل : دنیا میں جب تک چند روزہ محنت و بلیّات کو برداشت نہ کرتے تو آخرت کی لذّت و نعمت کی قدر نہ جانتے اور دائمی صحت و عافیت کی نعمت کو کماحقہٗ معلوم نہ کر سکتے، ہاں جب تک بھوک نہ ہو، طعام کی لذّت نہیں آتی اور جب تک مصیبت میں مبتلا نہ ہو، فراغت و آرام کی قدر معلوم نہیں ہوتی۔ گویا ان کی چند روزہ مصیبتوں سے

مقصود یہ ہے کہ ان کو دائمی ناز و نعمت کامل طور حاصل ہو، یہ اُن لوگوں کے حق میں سراسر محال ہے جو عوام کی آزمائش کے لیے جلال کی صورت میں ظاہر ہو۔ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (اکثر کو اس سے گمراہ کرتا اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے)

جواب دوم: بلیّات و محن اگرچہ عوام کے نزدیک تکلیف کے اسباب ہیں لیکن ان بزرگواروں کے نزدیک جو کچھ جمیلِ مطلق کی طرف سے آئے ان کی لذت و نعمت کا سبب ہے۔ یہ لوگ بلیّات سے ویسے ہی لذّت حاصل کرتے ہیں جیسے کہ نعمتوں سے۔ بلکہ بلاء سے زیادہ محظوظ ہوتے ہیں کیونکہ اُن میں محبوب کی خاص مُراد ہے۔ اور نعمتوں میں یہ خلوص نہیں ہے کیونکہ نفس نعمتوں کو چاہتا ہے اور بلاء و مصیبت سے بھاگتا ہے۔ پس بلاء ان بزرگواروں کے نزدیک عین نعمت ہے اور اس میں نعمت سے بڑھ کر لذّت ہے۔ وہ حظّ جو ان کو دنیا میں حاصل ہے وہ بلیّات و مصائب ہی کے باعث ہے۔ اگر دنیا میں یہ نمک بھی نہ ہوتا تو ان کے نزدیک جَو کے برابر بھی قیمت نہ رکھتی اور اگر اس میں یہ حلاوت نہ ہوتی تو اُن کو عبث و بے فائدہ دکھائی دیتی ؎

غرض اَز عشقِ تو اَم چاشنیٔ دردِ و غم است
وگرنہ زیرِ فلک اسبابِ تنعّم چہ کم است

حق تعالیٰ کے دوست دنیا میں بھی متلذّذ ہیں اور آخرت میں بھی محظوظ ہیں۔ اُن کی یہ دُنیاوی لذت اُن کی آخری لذت کے مخالف نہیں، وہ حظ جو آخرت کے حظ کے مخالف ہے وہ عوام کو حاصل ہے۔ الٰہی یہ کیا ہے جو تُو نے اپنے دوستوں کو عطا فرمایا ہے کہ جو چیزِ دوسرے کے رنج و غم کا باعث ہے وہ اُن کی لذّت کا باعث ہے۔ اور جو چیزِ دوسروں کے لیے زحمت ہے، ان کے واسطے رحمت ہے، دوسروں کی نعمت اِن کی نعمت ہے۔ لوگ شادی میں خوش ہیں اور غمی میں غم ناک، یہ لوگ شادی میں بھی اور غم میں بھی خُوش و خُرم ہیں کیونکہ اُن کی نظر افعالِ جمیلہ و رذیلہ کی خصوصیتوں سے

ہٹ کر ان افعال کے فاعل یعنی جمیلِ مطلق کے جمال پر جا لگی ہے اور فاعل کی محبت کے باعث اس کے افعال بھی اُن کی نظروں میں محبوب اور لذّت بخش ہو گئے ہیں۔ جو کچھ جہان میں فاعل جمیل کی مراد کے موافق صادر ہو، خواہ رنج و ضرر کی قسم سے ہو وہ اُن کے محبوب کی عین مراد ہے اور اُن کی لذّت کا موجب ہے۔ خداوندا! یہ کیا فضل و کرامت ہے کہ تو نے ایسی پوشیدہ دولت اور خوشگوار نعمت اغیار کی نظرِ بد سے چُھپا کر اپنے دوستوں کو عطا فرمائی ہے اور ہمیشہ اُن کو اپنی مراد پر قائم رکھ کر محظوظ و متلذّذ کیا ہے اور رنج و غم جو دوسروں کا نصیب ہے، اس گروہِ بلند کا کمال بنایا ہے۔ عین نامرادی میں اُن کی مُراد ہے اور اُن کا یہ دنیاوی لذّت و سرور دوسروں کے برعکس آخرت کے حظوظ کی ترقیوں کا باعث ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ پارہ ۲۸ سورہ الجمعہ آیت: ۴)

جواب سوم: یہ دنیا، دارِ ابتلا و آزمائش ہے جس میں حق، باطل کے ساتھ اور جھوٹا، سچّے کے ساتھ مِلا جُلا ہے۔ اگر دوستوں کو رنج و الم اور بلاء و محنت نہ دیتے بلکہ صرف دشمنوں کو دیتے تو دوست و دشمن کی تمیز نہ ہوتی اور اختیار و آزمائش کی حکمت، باطل ہوتی۔ یہ امر ایمانِ غیب کے منافی ہے جس میں دنیا و آخرت کی سعادتیں شامل ہیں۔ آیت کریمہ، يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (سورہ البقرہ آیت: ۳) اور آیت کریمہ، وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (اور اس لیے کہ اللہ دیکھے اُس کو جو بے دیکھے اُس کی اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ قدرت والا غالب ہے۔ پارہ ۲۷ الحدید ۲۵) اس مضمون کی رمز ہے۔ پس دشمنوں کی آنکھ میں خاک ڈال کر دوستوں کو بھی بلاء و محنت میں مبتلا کیا ہے تاکہ ابتلاء و آزمائش کی حکمت تمام ہو اور دوست عین بلاء میں لذّت پائیں اور دل کے اندھے دشمن خسارہ اور گھاٹا کھائیں۔ يُضِلُّ بِهٖ

كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (اللہ بہتوں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت فرماتا ہے۔ البقرہ : ۲۶) انبیاء کا معاملہ کفار کے ساتھ اسی طرح ہوا ہے کہ کبھی اس طرف کا غلبہ ہوا ہے اور کبھی اُس طرف کا۔ جنگِ بدر میں اہلِ اسلام کو فتح ہوئی اور جنگِ اُحد میں کافروں کو غلبہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ
مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ
وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا
بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ
مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَ اللّٰهُ
لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ
وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ○

"اگر تم کو زخم لگا ہے تو پہلے بھی لوگوں کو ایسے ہی زخم لگے ہیں اور ان دنوں کو اللہ تعالیٰ لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو جان لے اور تم میں سے گواہ بنالے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو خالص کرے اور کافروں کو مٹائے۔

(پارہ ۴ سورۂ آلِ عمران آیت: ۱۴۰، ۱۴۱)

جواب چہارم: حق تعالیٰ سب چیزوں پر قادر اور توانا ہے کہ دوستوں کو یہاں بھی ناز و نعمت عطا فرمائے اور وہاں بھی۔ لیکن یہ بات حق تعالیٰ کی حکمت و عادت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ پسند فرماتا ہے کہ اپنی قدر کو اپنی حکمت و عادت کے نیچے پوشیدہ رکھے۔ اور اسباب و علل کو اپنی جنابِ پاک کا رُوپوش بنائے۔ پس دُنیا و آخرت کے باہم نقیض (مخالف) ہونے کے باعث دوستوں کے لیے محنت و بلاء کا ہونا ضروری ہے تاکہ آخرت کی نعمتیں اُن کے حق میں خوشگوار رہوں۔

یہی مضمون اصل سوال کے جواب میں پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ اب ہم پھر اصل

بات کی طرف لوٹتے ہیں اور اصل سوال کا جواب دیتے ہیں کہ درد و بلاء و مصیبت کا سبب اگرچہ گناہ اور بدکاریاں ہیں لیکن درحقیقت بلاء و مصیبت ان برائیوں کا کفارہ اور ان گناہوں کی ظلمات کو دور کرنے والی ہیں۔ پس کرم یہی ہے کہ دوستوں کو زیادہ سے زیادہ بلاء و محنت دیں تاکہ اُن کے گناہوں کا کفارہ اور ازالہ ہو۔ دوستوں کے گناہوں اور برائیوں کو دشمنوں کے گناہوں اور برائیوں کی طرح خیال نہ کریں۔

آپ نے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے سہو و نسیان کے برابر ہیں) سُنا ہوگا۔ اگر اُن سے گناہ و عصیاں بھی صادر ہو تو دوسرے لوگوں کے گناہ و عصیاں کی طرح نہ ہوگا بلکہ وہ سہو و نسیان کی قسم سے ہوگا اور عزم و جہد (ارادہ و کوشش) سے پاک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۔ (اور بے شک ہم نے آدمؑ کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا کوئی عزم و قصد نہ پایا۔ پارہ ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت ۱۱۵) پس درد و مصائب کا زیادہ ہونا برائیوں کے زیادہ کفارہ ہونے پر دلالت کرتا ہے نہ کہ برائیوں کے زیادہ کمانے پر۔ دوستوں کو زیادہ بلاء و مصیبت اس لیے دیتے ہیں تاکہ اُن کے گناہوں کا کفارہ کر کے اُن کو پاکیزہ بنادیں اور آخرت کی محنت سے اُن کو محفوظ رکھیں۔

منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکرات موت کے وقت جب خاتونِ جنّت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپؐ کی بے قراری دیکھی تو وہ بھی (جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اَلْفَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِّنِّيْ (فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے) فرمایا تھا) کمال شفقت و مہربانی سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکھتی تھیں، نہایت بیقرار و بے آرام ہوگئیں۔ جب حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی اس بے قراری اور بے آرامی کو دیکھا تو حضرت زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تسلّی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تیرے

باپ کے لیے یہی ایک محنت و تکلیف ہے، اس سے آگے کوئی تکلیف و مصیبت نہیں۔ یہ کس قدر اعلیٰ دولت ہے کہ چند روزہ تکلیف کے عوض دائمی سخت تکلیف دُور ہو جائے۔ ایسا معاملہ دوستوں سے کرتے ہیں نہ کہ دوسروں سے۔ اور دوسروں کے گناہوں کا کفارہ کما حقہ، اس جگہ نہیں فرماتے بلکہ اُن کی سزا و جزا آخرت پر ڈال دیتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ دوست ہی دنیاوی رنج و بلا کے زیادہ مستحق ہیں اور دوسرے لوگ اس دولت کے لائق نہیں کیونکہ ان کے گناہ کبیرہ ہیں اور وہ التجاء و تضرع و استغفار و انکسار سے بے بہرہ ہیں اور گناہوں کے کرنے پر دلیر ہیں اور ارادہ و قصد سے گناہ کرتے ہیں جو تمرّد و سرکشی سے خالی نہیں ہیں اور عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آیاتِ طیّبات پر ہنسی اڑائیں اور انکار کریں۔ اور اجر و بدلہ گناہ کے اندازہ و نوعیت کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر گناہ خفیف ہے اور گناہ کرنے والا بھی التجاء و زاری کرنے والا ہے تو اس گناہ کا کفارہ دنیاوی بلاء و رنج سے ہو جائے گا، اگر گناہ غلیظ و شدید و ثقیل ہے اور گناہ کرنے والا سرکش و متکبّر بھی ہے تو وہ جرم، آخرت کی سزا کے لائق ہے جو گناہ کی طرح شدید اور دائمی ہے۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ (سورۃ آلِ عمران آیت: ۱۱۷)

آپ نے لکھا تھا کہ لوگ ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے دوستوں کو بلاء و محنت کیوں دیتا ہے اور ہمیشہ ناز و نعمت میں کیوں نہیں رکھتا اور اس گفتگو سے اس گروہِ پاک کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ کفار بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس قسم کی باتیں کہا کرتے تھے کہ

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ "یہ رسول کیسا ہے جو کھانا کھاتا ہے اور

الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ ط — بازاروں میں پھرتا ہے۔ کیوں نہیں اس پر
لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ — فرشتہ اترتا کہ اس کے ساتھ ہو کر لوگوں
مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ — کو ڈراتا یا اس کو خزانہ دیا جاتا یا اس کا کوئی
كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ — باغ ہی ہوتا جس سے کھایا کرتا۔"
يَّاْكُلُ مِنْهَا ط (پارہ ۱۸، الفرقان: ۷، ۸)

ایسی باتیں وہی شخص کرتا ہے جس کو آخرت اور اس کے دائمی عذاب و ثواب کا انکار ہو اور دنیا کی چند روزہ فانی لذتیں اس کی نظر میں بڑی عزیز اور شاندار دکھائی دیتی ہوں۔ لیکن جو شخص آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے عذاب و ثواب کو دائمی جانتا ہے، اس کو چند روزہ دنیاوی مصائب و آلام ہیچ نظر آتی ہیں بلکہ اس چند روزہ مصیبت کو جس سے ہمیشہ کی راحت حاصل ہو، عین راحت تصوّر کرتا ہے اور لوگوں کی گفتگو پر نہیں جاتا۔ درد و بلاء اور مصیبت، محبت کے گواہ عادل ہیں۔ کور باطن اور بیوقوف لوگ اگر اس کو محبت کے منافی جانیں تو جانیں۔ جاہلوں اور ان کی گفتگو سے سوائے رُوگردانی کے کوئی اور علاج نہیں۔ فَالصَّبْرُ صَبْرًا جَمِيْلًا۔

اصل سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بلاء اس وقت تک محبوب ہے کہ محب اپنے محبوب کے ماسواء سے کلی طور پر علیحدہ ہو کر محبوب کی پاک بارگاہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ پس رنج و بلاء کے لائق دوست ہی ہیں اور یہ بلاء اس بُرائی کا کفارہ ہے کہ اُن کا التفات ماسوا کی طرف ہے اور دوسرے لوگ اس دولت کے لائق نہیں۔ اُن کو از خود محبوب کی طرف کیوں لائیں، جس کو چاہتے ہیں مار پیٹ کر محبوب کی طرف لے آتے ہیں اور اسکو محبوبیت سے سرفراز فرماتے ہیں اور جس کو محبوب کی طرف لانا نہیں چاہتے اُس کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر سعادتِ ابدی اس کے شاملِ حال ہو گئی تو توبہ و انابت کی راہ سے ہاتھ پاؤں مار کر فضل و عنایت کی امداد سے مقصد تک پہنچ جائے گا ورنہ وہ

جانے اور اس کا کام۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ (یا اللہ! تو مجھے ایک لحظہ بھی اپنے حال پر نہ چھوڑ)۔ پس معلوم ہوا کہ مریدوں کی نسبت مرادوں پر زیادہ بلا آتی ہے، اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (جو مرادوں اور محبوبوں کے رئیس ہیں) نے فرمایا ہے: مَآ اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِّثْلَ مَآ اُوْذِیْتُ (کسی نبی کو اتنی ایذاء نہیں پہنچی جتنی مجھے پہنچی ہے)۔

گویا بلاء (مصیبت)، دَلّالَہ اور رہنما ہے جو اپنے حُسنِ دلالت سے ایک دوست کو دوسرے دوست تک پہنچا دیتی ہے اور دوست کے ماسوا کی طرف التفات سے پاک کر دیتی ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ دوست کروڑہا دے کر بلاء کو خریدتے ہیں اور دوسرے لوگ کروڑہا دے کر بلاء کو دفع کرنا چاہتے ہیں۔

سوال: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ درد و بلاء کے وقت دوستوں سے بھی اضطراب و کراہت عیاں ہوتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہ اضطراب وکراہت بتقاضائے بشری ضروری ہے اور اس کے باقی رکھنے میں کئی طرح کی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر نفس کے ساتھ جہاد و مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

آپ نے سُنا ہو گا کہ سکراتِ موت کے وقت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قسم کی بے قراری و بے آرامی ظاہر ہوئی تھی، وہ گویا نفس کے جہاد کا بقیہ تھا تاکہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاتمہ خدا کے دشمنوں سے جہاد پر ہو۔ شدتِ مجاہدہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ صفاتِ بشریت کے تمام مادے دور ہو جائیں اور نفس کو بدرجۂ کمال فرمانبردار بنا کر اطمینان کی حقیقت تک پہنچائیں اور پاک و صاف رکھیں۔ گویا بلاء، محبت کی دَلّالہ ہے اور جو کوئی محبت نہیں رکھتا اس کو دَلّالہ سے کام کیا ہے اور دلّالگی اس کے کس کام آئے گی اور اس کے نزدیک کیا قدر و قیمت رکھے گی۔

درد و بلاء کی دوسری وجہ یہ ہے کہ محبِ صادق اور مدعیٔ کاذب کے درمیان تمیز ہو جائے، اگر صادق ہے تو بلاء کے آنے سے متلذّذ و محظوظ ہو گا اور اگر مدعی ہے تو بلا سے کراہت و رنج اس کے نصیب ہو گا، سوائے صادق کے اس تمیز کو کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔ صادق ہی کراہت والم کی حقیقت کو کراہت والم کی صورت سے جدا کر سکتا ہے اور صفاتِ بشریت کی حقیقت کو صفاتِ بشریت کی صورت سے جُدا کر سکتا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْھَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ۔ (اللہ تعالیٰ پاک ہے، ہدایت دینے والا ہے بھلائی کے رستے کی طرف)۔

۵۸۔ ہر ایک نبی اور رسول اس آیتِ شریفہ وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اور ہم عذاب بھیجنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں۔ پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل: ۱۵) کے مطابق اہلِ دنیا کے لیے عذاب وعقوبت کا مقدمہ ہوتا تھا اور خدا تعالیٰ کے حبیب حضور سیّدِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدائش سے لے کر قیامت تک، سب کے لیے رحمتِ مجسّم ہو کر تشریف لائے ہوئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء میں، وسط میں اور آخیر میں غرض ہر حال میں رحمت تھے۔ آپ کی رحمت ایسی وسیع ہے کہ اس کا حصہ کافروں، مشرکوں اور منافقوں کو بھی پہنچ رہا ہے بلکہ ہر ایک چیز علوی اور سفلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل وجود میں آئی ہے۔ اگر آپ تشریف نہ لاتے تو کوئی چیز بھی محلِ عدم سے وجود میں ظاہر نہ ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا ہی ہر ایک چیز کے وجود کے لیے رحمت مقرر ہوا ہے۔ کافر و مشرک کا دنیا میں آرام و راحت سے زندگی گزارنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے سبب سے ہے۔

پہلی اُمّتیں جب رسولوں کی نافرمانی کرتی تھیں تو اُن پہ دنیا ہی میں قہرِ الٰہی بصورتِ مسخ وخسف وغیرہ ظاہر ہوتا تھا لیکن رحمتِ مجسّم محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی ہے کہ دنیا میں سب نافرمان اس عذاب و قہر سے قیامت تک محفوظ و

مامون رہیں گے۔ مومن دنیا و آخرت میں رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہرہ ور ہو رہے ہیں اور ہوں گے۔ کافر و منافق صرف دنیا میں اس رحمت سے متمتع ہو کر قہرِ الٰہی سے محفوظ رہیں گے۔ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تمام اہلِ کتاب، مشرک و کافر، جہالت و گمراہی میں تھے۔ اور امتدادِ زمانہ کے باعث مذہب کے بارے میں حیران تھے کہ کیا کریں۔ اُس وقت خداوند عالم نے رحمۃ للعالمین ﷺ کو بھیج کر سب کو صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے واضح کر دیا کہ یہ جہالت و گمراہی ہے اور یہ رُشد و ہدایت ہے۔ محبوبِ خدا سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل کے ساتھ حلال کو حرام سے، عذاب کو ثواب سے، ہدایت کو گمراہی سے علیحدہ دکھا کر روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا کہ "رحمتِ عام" اِس کا نام ہے اور "رحمۃ للعالمین" اس کو کہتے ہیں کہ تمام دنیا کو قیامت تک صراطِ مستوی موصل الی اللہ (وہ سیدھی راہ جو اللہ کی طرف پہنچانے والی ہے) کی ہدایت کرتا رہے۔ جو شخص اس راستہ پر چل پڑا وہ دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب ہو گیا اور جس نے صراطِ مستقیم پر چلنے سے انکار کیا وہ رحمتِ عامہ کے لحاظ سے دنیا میں عذابِ عام سے بچا رہے گا۔

اگر خدشہ گزرے کہ لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کافر و مشرک ہلاک ہوتے تھے تو رحمتِ عامہ کیونکر ہوئے اور آپ کا اسمِ گرامی رحمۃ للعالمین کس طرح تجویز ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خداوندِ عالم کے اسمائے گرامی میں سے دو نام رحمٰن و رحیم کے بھی ہیں۔ باوجودیکہ خداوند عالم کے یہ دونوں نام رحمت کی خبر دینے والے ہیں لیکن پھر بھی وہ عاصیوں کو سزا دے گا اور نافرمانوں کو جہنم رسید کرے گا، گنہگاروں اور بلے بیماتو کو عذاب میں مبتلا کرے گا تو کیا اب اُس کے رحم اور اس کی رحمانیت میں فرق آ گیا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اسی طرح قرآن شریف میں وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا (اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی نازل کیا۔ سورہ ق ۹) نازل ہو کر خبر دے رہا ہے کہ بارش

برکت و رحمت ہوتی ہے حالانکہ وہی بارش کئی جگہ فساد و تباہی کا ذریعہ ہوتی ہے اور لوگوں کے لیے رنج و زحمت کا باعث ہوتی ہے، تو کیا اب یہ لازم آیا کہ نعوذ باللہ قرآن شریف غلط خبر دے رہا ہے اور بارش جو کہ فساد و تباہی کا باعث بھی ہوتی ہے، اسے مبارک و رحمت قرار دے رہا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ اعتبار کثرت کا ہوتا ہے نہ کہ قلت و نُدرت کا۔ نیز حقیقت میں بارش مطلقاً رحمت و برکت ہوتی ہے لیکن خاص اسباب کی بنا پر اس کی صورت دوسرے قلب میں ظاہر ہوتی ہے، جس کو کوتاہ عقلیں رنج و زحمت سے تعبیر کرتی ہیں حالانکہ باریک بین جانتے ہیں کہ جو کچھ محبوبِ مطلق کی طرف سے آتا ہے وہ سب کچھ محبوب و مبارک ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی رحمت موصوف ہیں، لیکن کفار و مشرک لڑائی کی ابتدا و چھیڑ چھاڑ کرنے سے خود ہلاکت کا باعث ہوتے تھے۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جہاد کی ابتدا نہ ہوتی تھی اور نہ ہی یہ غرض تھی کہ اُن کو خواہ مخواہ تکلیف پہنچائیں بلکہ جہاں تک ہو سکتا تھا، آپ نرمی، شفقت، محبت، خلقِ عظیم سے اُن کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے تاکہ یہ سیدھے راستہ پر آ جائیں۔ کفار اس کا بدلہ یوں دیتے تھے کہ اپنی تمام تر قوموں اور قوتوں کو مجتمع کر کے اسلام کی مخالفت میں کمربستہ رہتے تھے۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سردارانِ جہاد کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ پہلے اُن کو اسلام کی طرف بلائیں، بصورتِ انکار جزیہ کی توجہ دلائیں۔ اگر وہ ان دونوں صورتوں کو قبول نہ کرتے ہوئے اہلِ اسلام کا مقابلہ کریں تو ناچار اہلِ اسلام بھی تنبیہاً تلوار اٹھائیں۔ الغرض تلوار کا میان سے نکلنا مجبوری و معذوری کے باعث تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں کر سکتا۔

۵۹۔ مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے کہ اُمتِ محمدیہ کو خداوندِ عالم نے چار کرامتیں عنایت فرمائیں جو مجھے نصیب نہیں ہوئی تھیں۔

اوّل : حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی امّت کو حکم ہے کہ جب کبھی اس سے گناہ ہو جائے تو پھر وہ اُس گناہ اور جرم کی جس وقت اور جس جگہ معافی طلب کرے گی، اظہارِ توبہ کرے گی تو اُس کو معافی دے دی جائے گی۔ لیکن میری توبہ کا مقام مکّہ مکرّمہ مقرر تھا یعنی میری توبہ کی اجابت و قبولیت کے لیے خاص مقام مکّہ مکرمہ کی شرط تھی، مگر امّتِ محمّدیہ کی توبہ کے لیے کسی جگہ کی کوئی قید نہیں۔

دوم : حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے کپڑے اتار کر اُس کی رُسوائی نہیں کی جاتی اور اس کو ننگا نہیں کیا جاتا لیکن جب مجھ سے نافرمانی صادر ہو گئی تھی تو میرے کپڑے چھین لیے گئے تھے اور مجھ کو ننگا کیا گیا تھا۔

سوم : امّتِ محمّدیہ سے اگر کوئی فعل خلافِ شرع صادر ہو جائے تو میاں بیوی کے درمیان مفارقت نہیں کی جاتی۔ لیکن میرے ساتھ یہ واقعہ بھی ہوا تھا کہ مجھ میں اور حوّا میں مفارقت ڈال دی گئی تھی۔

چہارم : امّتِ محمّدیہ کسی جرم کی مُرتکب کسی مکان میں ہو تو اُس کو اس مکان سے نکالا نہیں جاتا لیکن مجھے بوقتِ عصیاں جنّت سے خارج کر دیا گیا تھا۔

٦٠۔ حضور سیّد عالم افضل الانبیاء اکمل الاصفیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کی فضیلت و شرافت کے باعث آپ کی امّت کو یہ نعمت عنایت کی گئی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے مرنے کے بعد دو مسلمان اس کے حق میں بھلائی کی خبر دیں یعنی اسے بھلائی سے یاد کریں تو اس کے لیے جنّت واجب ہوگی اور پہلی امتوں میں اگر کسی مرنے والے پر سو آدمی خیر کی شہادت دیتے تھے تو پھر اس پر جنّت واجب ہوتی تھی ورنہ نہیں۔ یہ سہولت اور یہ مرتبہ اُمّت کو محض اور محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل ہونے کے باعث ہی عنایت ہوا ہے۔

٦١۔ حضرات انبیائے کرام و رسل عظام پر خداوندِ عالم رحمت بھیجتا تھا اور فرشتے اُن کے لیے استغفار کرتے تھے لیکن اُن کی اُمّتیں اس فضیلت سے معرّا تھیں، حبیبِ خدا

صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کا مرتبہ ملاحظہ فرمائیے کہ حکم ہو رہا ہے :

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَآئِكَتُهُ .

"خداوندِ عالم تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے تمہارے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔"

(پارہ ٢٢ سورہ الاحزاب آیت : ٤٣)

جو فضیلت حضرات انبیائے کرام کو عطا ہوئی تھی وہ یہاں حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت مرحومہ کے حصہ میں آ رہی ہے۔

٦٢۔ مروی ہے کہ قیامت کے دن حافظِ قرآن کو کہا جائے گا کہ تو قرآن شریف پڑھتا جا، جنّت کے درجوں پر چڑھتا جا، جہاں جا کر قرآن شریف ختم ہوگا وہاں رہنے کے لیے تیرا مقام مقرر ہے۔ لکھا ہے کہ یہ فضیلت و شرافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب (قرآن مجید) اور امّت کے ساتھ مختص ہے اور کسی کتاب اور امّت کو یہ رتبہ عنایت نہیں ہوگا۔ جنّت میں اہلِ جنت صرف قرآن مجید کی تلاوت کریں گے اور عربی زبان میں کلام کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میں سب سے پہلے جنّت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو دربان کہے گا مَنْ اَنْتَ فَاَقُوْلُ اَنَا مُحَمَّدٌ (آپ کون ہیں! میں کہوں گا کہ میں محمّد ہوں)، پھر دربان کہے گا مجھے بھی حکم تھا کہ میں سب سے پہلے آپؐ کے لیے جنّت کا دروازہ کھولوں۔ میں نے اس سے پہلے کسی کے لیے جنّت کا دروازہ نہیں کھولا۔ اور نہ ہی آئندہ کسی کے لیے اُٹھوں گا تاکہ جنّت کا دروازہ کھولوں۔

٦٣۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم رسول رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اور فضیلت و شرافت عنایت فرمائی ہے جو کسی اور پیغمبر کو میسّر نہیں ہوئی یعنی حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد اور آپ کے غلاموں پر قیامت تک زکوٰۃ کا لینا اور کھانا حرام ہے کیونکہ زکوٰۃ لوگوں کی میل کچیل ہے اور میل کچیل کا استعمال کرنا حبیبِ خدا مطہر و مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ہے۔ اس لیے مولیٰ کریم نے حکم دیا کہ ہمارا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

اور اس کی اولاد قیامت تک اوساخ الناس (لوگوں کی میل) سے پرہیز کریں اور عقل کے موافق بھی یہی بات ہے کہ تمام عیوب سے منزّہ و مبّرا، میل کچیل استعمال کر کے اپنی طہارت و عصمت پر دھبّہ نہ لگائے۔ یہ خصوصیت و شرافت صرف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مختص ہے۔

۶۴۔ سب حضرات انبیاء پر آپ کی فضیلت و عظمت اس حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے۔ كُلُّ سَبَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا سَبَبِيْ وَنَسَبِيْ۔ (قیامت کے دن تمام اسباب و تعلقات ٹوٹ جاویں گے مگر میرا تعلق اور میرا رشتہ قائم رہے گا۔) قیامت کے دن سب رشتہ داریاں غیر مفید ثابت ہوں گی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اور رشتہ مفید ہوگا۔ اس رشتہ کی طفیل اہل رشتہ کے ساتھ تخفیف کی توقع ہے۔ یہ نعمت اور خصوصیت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہے

۶۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امّتِ مرحومہ اگرچہ وجود میں سب امتوں سے پیچھے ہے لیکن قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت کے باعث سب سے اوّل ہوگی اور سب سے پہلے قبروں سے اٹھائی جائے گی۔ اور اس کا حساب سب سے پہلے ہوگا اور ایک عالی مقام پر اس کا قیام ہوگا۔ وضو کے سفید نشانات کے ذریعہ سب سے ممتاز ہوگی اور جنّت میں سب امّتوں سے پہلے داخل ہوگی۔ اس امت کا اجماع حُجّت ہے۔ اور اس کا اختلاف رحمت ہے۔ پہلی امتوں کا اختلاف عذاب تھا اور ان کے لیے وبال تھا۔

۶۶۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں سب سے پہلے ہمارے حضرت رسولِ اکرم علیہ الصلوٰة والسلام نے "بَلٰی" کا لفظ کہہ کر اپنی افضلیت کو کامل طور پر ظاہر کر دیا تھا۔ اور آپ کا اسم گرامی حضرت آدمؑ کے زمانے سے اذان میں چلا آرہا ہے اور کُتب سابقہ میں سب حضرات انبیاء کرام آپ کی خوشخبری سُناتے رہے۔ آپؐ کی نعت، آپؐ کے و

خلفاء کے حالاتِ طیّبات اور آپ کی امّت کی تعریف و توصیف تمام کتب میں درج ہے۔ ملائکہ آپؐ کے ساتھ جہاد میں شامل ہو کر کفّار سے مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ الغرض علامہ ابو سعید نیشاپوری نے اسی طرح کے ساٹھ سے زیادہ فضائل و کرامات شمار کیے ہیں جو کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی میں نہیں پائے جاتے ہیں۔

۶۷۔ افضل الرسل حضرت رسولِ اکرم علیہ الصلوٰة والسلام کی محبت و برکت کے باعث صحابہ کرام کا درجہ و رتبہ تمام حضرات انبیائے کرام کی امتوں سے بڑھ کر ہے اور آپ کی بیویوں اور بیٹیوں کی عزت و حرمت تمام جہان کی عورتوں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ یہاں تک کہ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنّت میں سب عورتوں کی سردار ہوں گی اور پُل صراط سے گزرتے وقت اہل محشر کو آواز دی جائے گی کہ اپنی گردنوں کو نیچے کرو اور آنکھوں کو بند کرو کیونکہ سردارِ انبیاء حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی مطہرہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا پل صراط سے گزرنے والی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے لحاظ سے آپ کے دونوں شہر مکّہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ دنیا کے تمام شہروں سے مرتبہ میں بلند و بالا ہیں اور آپؐ کی مسجد بلحاظ ثواب و قدر و منزلت دنیا کی تمام مسجدوں سے بڑھ کر ہے اور آپ کے دونوں شہروں میں دجّال و طاعون قیامت تک داخل نہیں ہوں گے۔ یہ سب خصوصیات مولیٰ کریم نے محض آپ کی عزت و شرافت کو سب نبیوں اور رسولوں سے بڑھانے کے لیے آپ کو عنایت کی ہیں۔

۶۸۔ پانچ نمازوں اور جمعہ کا مقرر ہونا، آمین کا کہنا، نماز کو باجماعت سیدھی صف کے ساتھ ادا کرنا بھی صرف آپؐ کی ذات گرامی سے شروع ہوا ہے۔ آپ کی فضیلت و عظمت کے لحاظ سے ملک الموت نے نہ صرف آپؐ سے ہی بوقت قبض رُوح اذن طلب کیا تھا ورنہ ملک الموت تو سب حضرات انبیائے کرام پر بغیر اجازت داخل ہوتا تھا۔

نیز آپ کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ ہمیشہ نکاح کا حرام ہونا آپؐ کی اعلیٰ شان اور افضل رتبہ ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔ یہ بات بھی مولیٰ کریم نے اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائی ہوئی تھی کہ آپؐ کی شرمگاہ کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا تھا اور اگر کوئی دیکھ پاتا تو اس کی دونوں آنکھیں اندھی ہو جاتیں۔

۶۹۔ تمام حضرات انبیائے کرام میں سے صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قبلتین و ہجرتین کا جمع ہونا، شریعت و حقیقت سے واقف ہونا، صرف آپؐ کا ہی نام مبارک "محمد" مقرر ہونا، آپ کا "مفاتیح الارض" (روئے زمین کے خزانوں کی چابیوں) کا مالک ہونا اور تمام زمین کا مسجد و طہور کی شکل میں ظاہر ہونا خاص ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ ان سب کو آپؐ کے افضل و اعلیٰ ہونے کی علیحدہ علیحدہ دلیل قرار دیتے ہیں۔ راقم نے بخاطرِ اختصار ان سب کو جمع کر کے ایک ہی دلیل کے تحت لکھ دیا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ کئی دلائل ہیں۔

۷۰۔ حافظ الحدیث علامہ سیوطیؒ، خصائص الکبریٰ میں ابنِ عساکر سے اس مضمون کی مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کہ شبِ معراج، خداوند تعالیٰ نے جب مجھے حضوری کا شرف بخشا اور "بارگاہِ عالی اور مجھ میں "قاب قوسین" کا فرق رہ گیا تو مجھے بارگاہِ عالی سے یہ آواز آئی کہ ہم نے تمہیں "خاتم النبیین" مقرر فرمایا ہے، کیا تجھے سب سے آخر میں ہونے کا کوئی غم و فکر تو نہیں؟ میں نے عرض کیا، نہیں۔ پھر آواز آئی، کیا تیری امت کو سب امتوں سے پیچھے ہونے کا کوئی غم و فکر تو نہیں؟ میں نے کہا، نہیں۔ فرمایا اپنی امت کو میری طرف سے خبر دے دو کہ میں نے تمہیں اس لیے سب سے آخر میں بھیجا ہے تاکہ پہلی امتوں کی ذلت و رسوائی تمہارے سامنے تو بیان ہو لیکن تمہاری ذلت و رسوائی کسی کے سامنے ظاہر نہ ہو کیونکہ سب سے آخر تم ہی ہو۔ اب تمہارے بعد ایسی

کوئی امت نہیں آئے گی جس کے سامنے تمہاری نافرمانیاں اور بداعمالیاں ظاہر ہوں اور تمہاری ذلت و رسوائی بین الخلائق مشتہر ہو۔ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے باعث آپؐ کی امت کا اس قدر لحاظ و پاس ہے کہ اس کی ذلت و رسوائی اور نافرمانی کسی غیر کے سامنے ظاہر کرنی مولیٰ کریم کو منظور نہیں ہے۔ اور پہلی امتوں کی شرارتوں، بداعمالیوں اور نافرمانیوں کو جابجا قرآن شریف میں ظاہر کر کے اُن کی ذلت و رسوائی قیامت تک کے لیے بین الخلائق کی گئی ہے۔ اب آپ مفضول اور افضل، ادنیٰ اور اعلیٰ کا پتہ لگا لیں اور معلوم کر لیں کہ قافلہ سالار اور سب کا مقتداء اور پیشوا کون ہے؟

۷۱۔ مروی ہے کہ خلیفہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعبؓ سے کہا کہ حبیبِ خدا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں سے قبل از ولادت کے فضائل بیان کرو۔ حضرت کعبؓ نے کہا کہ میں نے کتبِ سابقہ میں پڑھا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک پتھر پایا جس پر یہ چار سطریں لکھی ہوئی تھیں۔

پہلی : اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِیْ (میں ہی اللہ تعالیٰ ہوں، میرے علاوہ کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو)۔

دوسری : اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلِیْ طُوْبٰی لِمَنْ اٰمَنَ بِہٖ وَاتَّبَعَہٗ۔ (میں ہی اللہ تعالیٰ ہوں۔ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے رسول ہیں۔ جو اُن پر ایمان لایا اور اتباع کی اس کے لیے بھلائی اور سعادت ہے)

تیسری : اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا مَنِ اعْتَصَمَ بِیْ نَجَا (میں ہی اللہ تعالیٰ ہوں میرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ جس نے میری ہدایت کو تھاما، کامیاب ہو گیا۔)

چوتھی : اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا اَلْحَرَمُ لِیْ وَالْکَعْبَۃُ بَیْتِیْ مَنْ دَخَلَ بَیْتِیْ اَمِنَ عَذَابِیْ (میں ہی اللہ تعالیٰ ہوں، میرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ حرم میرے لیے ہے اور کعبہ میرا گھر ہے جو کوئی میرے گھر میں داخل ہوا، وہ میرے

عذاب سے محفوظ رہا۔)

حضرات! اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش پیغمبر، لوگوں کی ہدایت کے لیئے دنیا میں بھیجے لیکن جس شان اور عظمت و شرافت کے ساتھ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرمایا، کسی اور کو وہ شان عطا نہ ہوئی۔

دیکھئے اور غور فرمائیے! کہ پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان اس قدر ہے کہ پتھروں پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ اُن کا نام لکھ کر واضح کر دیا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے مجھے خاص طور پر ایک ہی نام محبوب ہے جس کو میں اپنے نام کے ساتھ لکھ کر اس کی فضیلت و شرافت ہر ایک کے سامنے ظاہر کرتا ہوں بلکہ جو شخص اس پر ایمان لائے گا اور اس کی اتباع کرے گا اُس کے لیے خوشخبری ہے۔

۴۲۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کو جنتی عصا عطا فرمایا، ساتھ ہی چند کلماتِ طیّبات فرمائے کہ:

ا۔ تقویٰ کو نہ چھوڑنا۔

ب۔ خداوند تعالیٰ کے احکام کی طرف متوجہ رہنا اور خدا کو یاد رکھنا۔

ج۔ خداوندِ عالم کی یاد کے ساتھ ساتھ اولوالعزم پیغمبر، عالی شان رسول سرورِ انبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یاد کیا کرنا۔ کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ اُن کا نام عرشِ معلّٰی پر مکتوب ہے حالانکہ میں اس وقت مٹی اور رُوح کے درمیان تھا۔ پھر میں نے تمام آسمانوں کا چکّر لگایا تو ہر ایک آسمان میں اسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مرقوم تھا۔ پہلے جب مولیٰ حقیقی نے مجھے جنّت میں ٹھہرایا تو وہاں بھی ہر ایک محل اور ہر ایک غرفہ (دریچہ، کھڑکی، جھروکہ) پہ یہی اسم مبارک نظر پڑا۔ اس کے بعد میں نے حوروں کو دیکھا تو اُن کے سینوں پہ بھی یہی مبارک نام نظر آیا۔ شجرِ طوبیٰ کو دیکھا تو ہر ایک ورق پہ یہی نامِ مقدس دیدہ نواز ہوا۔ الغرض مجھے جنّت میں ہر جگہ افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی نظر

پڑا تھا۔ اس لیے اس کو بہرصورت اور ضرور یاد کیا کرنا کیونکہ وہی سب کا سردار اور مقتدا ہے۔

۴۳۔ مسند ابی داؤد طیالسی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری موجودگی میں صحابہ کرام سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہیں علم ہے کہ مخلوق میں سے ازروئے ایمان افضل کون ہے؟ عرض کیا، ملائکہ افضل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سماعت فرما کر ارشاد کیا، نہیں! بلکہ وہ اور لوگ ہیں، پھر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ انبیاءِ کرام ہوں گے۔ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ابھی تم صحیح جواب کو نہیں پہنچے۔ پھر خود ارشاد فرمایا کہ مخلوق میں سے ازروئے ایمان افضل وہ لوگ ہیں جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے لیکن وہ مجھ پر حالتِ غیب میں ایمان لائیں گے اور مجھے بجان و دل خدا کا سچا رسول سمجھ کر شب و روز میری اطاعت میں مصروف و مشغول رہیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔

مقام غور ہے کہ جب حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت باعتبارِ بعض فضائل جزئی طور پہ سب مخلوق سے افضل ہے تو بھلا اس امّت کا سردار والیٔ کون و مکان ہادیٔ دوجہان علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر ایک خوبی میں سب مخلوق سے کیوں کر اعلیٰ و افضل نہ ہوگا۔

۴۴۔ علامہ ابونعیم، حلیۃ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ محبوب خدا رسولِ اعظم علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ خداوندِ عالم جلّ جلالہ وعزّ برہانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اس مضمون کی وحی نازل فرمائی کہ جو شخص مجھ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ میرے حبیب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہوگا تو میں اسے جہنّم کی جلتی ہوئی آگ میں داخل کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یَا رَبِّ وَمَنْ اَحْمَدُ (اے میرے رب! احمد کون ہیں؟) خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے مخلوق میں سے کسی کو

پیدا نہیں کیا جو میرے نزدیک اُن سے افضل و اشرف و اعلیٰ ہو۔ اُن کا نام میں نے اپنے نام کے ساتھ زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے پہلے عرش پہ لکھا ہوا ہے اور جب تک وہ پیارا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی اُمت جنّت میں داخل نہ ہوں گے، جنّت تمام مخلوق پہ حرام رہے گی۔ اُس کی اُمت میری اطاعت کے لیے اپنی کمروں کو باندھے رکھے گی اور صبح و شام میری حمد و ثناء کا حق ادا کرے گی۔ دن کو روزے رکھ کر اور رات کو اپنے مولیٰ الکریم کی یاد میں مصروف رہ کر خیر الامم سے موصوف ہو گی۔

۷۵۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ سب سے پہلے خالقِ قدیم نے کس چیز کو پیدا کیا تھا؟ آپ نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ	"سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے
فَخَلَقَ الْخَلْقَ مِنْ نُوْرِیْ	نور کو اپنے نور سے پیدا کیا، پھر میرے
(جواہر البحار از علامہ یوسف نبھانی)	نور سے بتدریج سب اشیاء کو پیدا کیا۔

معلوم ہوا کہ سب اشیاء کا منبع، سب کا اصل اور سب کا معدن ہمارے نبی کریم حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والاصفات ہے جس کے نور سے ہر ایک چھوٹی بڑی چیز منصّۂ ظہور میں آئی اور جس کی طفیل ہر ایک عالم نے وجودی لباس پہنا، اگر یہ ذات منبعِ کمالات اور معدنِ اوصاف نہ ہوتی تو مطابق حدیثِ قدسی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (اے نبی! اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو افلاک کو پیدا نہ کرتا) کسی چیز کا وجود نظر نہ آتا۔ الغرض ابتدائے آفرینش سے لے کر آخر تک اسی پیارے کی شان کے انوار جلوہ افروز ہیں اور ہمیشہ تک رہیں گے۔

۷۶۔ محبوبِ خدا، والیٔ دو جہاں، صادق و مصدوق، امینِ رب العٰلمین، حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے میرے مولیٰ نے ایسے فضائل عنایت

کئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی اور کسی رسول کو عطا نہیں کئے گئے۔ آیۃ الکرسی، فاتحہ، سورہ بقرہ کی آخری آیتیں مجھے ربّ رحیم نے خزانۂ عرش سے خصوصی طور پہ عنایت فرمائی ہیں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں بھی بخشی گئی ہیں اور میں احمر و اسود (عرب و عجم) کی طرف مبعوث ہوا ہوں اور ایک مہینے کے رستے سے رعب و دبدبہ کے باعث مخالفین پر مولیٰ کریم نے مجھے فتح و نصرت عطا کی ہے۔ اور میرے لیے مالِ غنائم خاص طور پر حلال کیا گیا ہے اور مجھے شفاعتِ عظمیٰ کا مرتبہ دیا گیا ہے جس کا محل اور موقع حشر کے بعد ہو گا۔ میرا نام احمد مقرر کیا گیا ہے اس سے پہلے اس نام کا کوئی مسمّٰی نہیں گزرا ہے اور زمین کو میرے لیے اور میری اُمت کے لیے مسجد اور طہور بنایا گیا ہے۔ الغرض اسی قسم کی کثرت سے خصوصیات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ محبوبیت کی شان کے ساتھ اس طرح تشریف لائے ہیں کہ کوئی بھی فضائل و محاسن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی نہیں۔ (خصائصِ کبریٰ)۔

علامہ حکیم ترمذی نے لکھا ہے کہ ولادتِ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت زمین نے خوشی منائی، انبساط ظاہر کیا اور گل و شگوفے کثرت سے پیدا کئے۔ زمین نے آسمان اور ہر ایک چیز پہ فخر ظاہر کیا کہ خالقِ دو جہاں کا محبوب مجھ ہی سے پیدا ہوا ہے اور مجھ پہ ہی چلے گا اور مجھ پہ اپنی پیشانی مبارک سجدہ میں رکھ کر مجھے عزّت دے گا۔ اور مجھ میں ہی اپنا مدفن بنائے گا۔ ولادتِ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پہ زمین کا خوشی کرنا اور انبساط و سرور کا ظاہر کرنا، اللہ تعالیٰ کو پسند آیا تو حکم دیا کہ اس خوشی کے صلہ میں ہم تجھے یہ انعام و اکرام عنایت کرتے ہیں کہ تیری مٹی طہارت و پاکیزگی کا وہ کام دے گی جو پانی دیتا ہے۔ آج تک یہ فخر ہم نے تجھے کسی نبی کی ولادت پہ نہیں بخشا تھا۔ آج پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر اظہارِ مسرّت کے باعث اُمتِ محمدیہ کے لیے ہم خاص طور پہ یہ شرف عنایت کرتے ہیں کہ تجھ سے وہ قیامت تک طہارت و پاکیزگی

حاصل کرتی رہے۔

۷۷۔ مولیٰ کریم نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کو ظاہر کرنے کے لیے کتبِ سابقہ میں بڑے اہتمام کے ساتھ اُن کے اوصاف و محاسن کا خصوصی طور پر بار بار ذکر فرمایا۔ توراۃ، زبور اور انجیل میں لکھا ہے کہ نبی اُمّی، شاہد و مبشّر و نذیر اور حرزاً للاُمّیین ہوں گے اور آپؐ تند خو، سخت مزاج، درشت کلام، بداخلاق اور غلیظ القلب نہیں ہوں گے۔ اور بازاروں میں آواز کرنے سے آپ نفرت ظاہر فرمائیں گے۔ ربّ العلمین، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے اس وقت تک نہیں بلائے گا جب تک کہ آپ کے ذریعے و وسیلے سے اُن لوگوں کو مومنِ کامل، عاشقِ صادق، زاہد و عابد نہ بنالے جن کی آنکھیں اندھی، کان بہرے اور دل سیاہ ہیں۔ اُس پیارے اُمّی لقب کا لباس، سکینت و تقویٰ۔ اُس کی جان، صدق و صفا۔ اُس کی طبیعت، حلم و عفو اُس کا خُلق، عدل و انصاف۔ اُس کی سیرت، رُشد و ہدایت۔ اور اسمِ پاک اُس کا احمد ہوگا اور اس پر ایمان لانا اور اُس کی مدد کرنا ہر ایک کا فرضِ اوّل ہوگا۔ (جواہر البحار)

۷۸۔ افضل الرسل حبیبِ خدا رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ ملاحظہ فرمائیے کہ آپؐ کی افضلیت کی طفیل آپؐ کی اُمّت کو ایک رات کی عبادت پر ———— ہزار ماہ کی عبادت سے زیادہ ثواب ملتا ہے اور مولیٰ کریم وہ مراتب و درجات ایک رات کے عوض اُمّتِ مرحومہ کو عنایت کرتا ہے جو پہلی اُمّتوں کو ہزار ماہ کی عبادت پر عطا نہیں فرماتا۔

آیہ شریفہ:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ (سورۃ القدر: ۳) (شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔)

اس پر صریح دلیل ہے۔

مروی ہے کہ ایک دن رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ پہلی

اُمّتوں کی عمریں لمبی لمبی ہوتی تھیں اور وہ عبادت و اطاعتِ الٰہی میں بھی اپنی عمر کا کثیر حصہ خرچ کرتے تھے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کا شمعونؑ نامی ایک عابد و زاہد ایک ہزار ماہ تک مسلسل اس طرح عبادت کرتا رہا کہ دن کو روزے رکھتا اور کافروں کے ساتھ جہاد کرتا تھا۔ رات کو نماز و نوافل میں گزارتا تھا۔ صحابہ کرام کو شمعونؑ کا حال سُن کر شاق گزرا اور اور بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! یہ شرافت و عظمت ہمیں کس طرح نصیب ہوسکتی ہے جبکہ ہماری عمریں ہی ساٹھ ستّر برس کے درمیان ہوتی ہیں اور پھر ہماری عمریں بھی تو اس طرح گزرتی ہیں کہ ایک حصّہ تو نیند میں، دوسرا طلبِ معاش میں اور تیسرا حصّہ بیماری، سُستی اور کوتاہی میں گزر جاتا ہے ——— اب ہم عبادت کریں تو کس وقت؟ نفل گزاریں تو کس طرح؟ صحابہ کرام کی یہ باتیں سُن کر حبیبِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی غم و حزن پیدا ہوا تو اُس وقت خداوندِ عالم نے اپنے حبیبؐ کو تسلّی دینے کے لیے آیۂ شریفہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ (سورہ القدر: ۳) نازل فرما کر واضح فرما دیا کہ اگرچہ تمہاری عمریں تھوڑی ہیں اور پہلی امتوں کی زیادہ ہیں لیکن ہم تم کو اس کے عوض ایک ایسی رات عنایت فرماتے ہیں کہ اِس ایک رات کی عبادت کا اجر و ثواب اُس اجر و ثواب سے بڑھ کر ہے جو پہلی امتوں کو ایک ہزار ماہ کی عبادت یا مشقّت پر نصیب ہوتا تھا، تم غمگین و محزون کیوں ہوتے ہو؟ ہمیں یہ منظور نہیں کہ ہم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور اُس کی اُمّت کو غمگین دیکھیں اور پھر اُس کا سہل طور پہ تدارک نہ فرمائیں۔ سبحان اللہ! اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ۔

بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک دن خیال آیا کہ میری امّت کی عمریں چھوٹی ہیں اور پہلی امتوں کی عمریں لمبی ہوتی تھیں۔ اس لحاظ سے اُممِ سالقہ کی عبادات زیادہ ہوں گی اور میری امّت کی عبادتیں کم ہوں گی، لہٰذا قیامت کے روز دوسری امتوں کے سامنے میری امّت کو شرمندہ و رُسوا ہونا پڑے گا۔

مقامِ افسوس ہے کہ میری طرف منسوب ہو کر اس کو یہ خجالت اٹھانی پڑے۔ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم اس خیال سے غمناک ہوئے اور آپؐ کے چہرۂ مبارک پر غم و فکر کے آثار ہویدا ہوئے تو اس وقت مولیٰ حقیقی نے یہ آیۂ شریفہ نازل فرما کر اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ تم کیوں گھبراتے ہو۔ اس کا علاج و تدارک ہمارے ذمّہ ہے۔ جاؤ! ہم تمہاری امّت کو ایک رات کی عبادت پر ہزار ماہ کی عبادت سے زیادہ اجر و ثواب دیں گے۔ (تفسیرِ عزیزی)

۷۹۔ علامہ بغویؒ نے معالم التنزیل میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سند کے ساتھ لکھا ہے کہ لوحِ محفوظ میں جو پہلی عبارت لکھی ہوئی ہے، وہ یہ ہے:

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهٗ	"معبودِ برحق ایک ہے اور اس کا
دِیْنُهُ الْاِسْلَامُ وَمُحَمَّدٌ	پسندیدہ دین، دینِ اسلام ہے اور محمد
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَمَنْ	صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور
اٰمَنَ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ	اس کے سچے رسول ہیں پس جو شخص
صَدَّقَ بِوَعْدِهٖ وَاتَّبَعَ	اللہ عزوجل کے ساتھ ایمان لائے گا اور
رَسُوْلَهٗ اَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ۔	اس کے وعدوں کو برحق جانے گا اور

اس کے محبوب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرے گا تو پھر خالقِ دو جہاں مالکِ جن و انسان اس کو جنت میں داخل کرے گا۔"

ناظرین! اس حدیث شریف سے نتیجہ آپ نکال لیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے ہوتے ہوئے مولیٰ حقیقی نے لوحِ محفوظ کو متبرک و متیمن بنانے کے لیے اپنے نام کے بعد سب سے پہلے اپنے حبیبؐ کا ہی کا نام مبارک لکھنا پسند فرمایا ہے۔

۸۰۔ امام احمدؒ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میرے مولیٰ کریم نے یہ خاص طور پر عنایت کی

کہ میری امّت میں سے ستّر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل کئے جاویں گے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب مجھے یہ خصوصیت عطا فرمائی گئی تو میں نے دربارِ خداوندی میں عرض کی کہ ستّر ہزار تھوڑے ہیں۔ کچھ اور عنایت و مہربانی ہونی چاہیئے! حکم ہوا کہ ہم ستّر ہزار میں سے ہر ایک ہزار کے ساتھ ستّر ستّر ہزار کو بغیر حساب کے تیری امّت میں سے جنّت میں داخل کردیں گے۔ (جن کی مجموعی تعداد چار ارب نوّے کروڑ ہوتی ہے)

حضراتِ گرامی قدر! یہ مرتبہ عُلیا اور یہ خصوصیاتِ عظیم الشان ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نبی و رسول کو نصیب نہیں ہوئیں۔ اب فضیلت کا پتہ و اندازہ آپ لگالیں۔

۸۱۔ حبیبِ خدا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ شان اور عظمتِ قدر دیکھئے کہ خالقِ دو جہاں نے اممِ سابقہ میں سے کسی امت کو یہ حکم نہیں دیا کہ تم نبیٔ وقت کی آواز پر اپنی آواز کو بھی بلند نہ کرو، ورنہ تمہارے تمام اعمالِ صالحہ ضائع ہو جائیں گے اور تم اسی طرح خالی ہو جاؤ گے جس طرح پہلے تھے۔ لیکن حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی عزّت و عظمت اس قدر منظور ہے کہ اہلِ اسلام کو حکم ہو رہا ہے کہ تم کسی بھی قول و فعل میں میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش قدمی نہ کرو، اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھے تو تم پہلے ہی پیش قدمی کر کے جواب نہ دو۔ اگر کھانا حاضر ہو تو آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کھانا شروع نہ کرو۔ اگر آپؐ تم میں سے کسی کے مکان کی طرف تشریف لے جائیں تو تم بے ادب بن کر آگے نہ چلو۔

الغرض جب تک آپؐ کسی قول و فعل میں ابتدا نہ کریں تب تک تم پر لازم ہے کہ نہایت ادب و احترام کے ساتھ آپؐ کا انتظار کرتے رہو نیز جب تم بارگاہِ رسالت مآبؐ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دو تو بات کرتے وقت تمہاری آواز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی آواز سے بلند نہ ہونے پائے ورنہ تمہاری تمام عمر کی نیکیاں ضائع ہو جائیں گی ۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

" اے ایمان والو ! اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو ، بیشک اللہ سنتا اور جانتا ہے ۔ اے ایمان والو ! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس نبی کی آواز سے ، اور اُن کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو ، کہ کہیں تمہارے عمل برباد نہ ہو جاویں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو ۔"

(پارہ ۲۶ سورہ الحجرات آیت ۲۹)

لکھا ہے کہ اس آیت شریفہ کے بعد صحابہ کرام ، حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس قدر آہستگی سے کلام کرتے تھے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ دریافت کرنے کی ضرورت پڑتی تھی ۔ بلکہ بعض صحابہ نے تو یہ آیت سُن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں آنا ہی چھوڑ دیا تھا کہ کہیں ہماری آواز آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک سے بلند ہو جائے تو ہماری ساری عمر کا ساختہ پرداختہ ہی ضائع نہ ہو جائے ۔ جب حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن صحابہ کرام کی غیر حاضری معلوم ہوئی تو آپ نے ان کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ تم کیوں حاضر نہیں ہوتے ہو ؟ عرض کی کہ ہم لوگ پیدائشی طور پر جہیرالصوت واقع ہوئے ہیں ، جس وقت سے یہ آیۂ شریفہ سنی ہے ، ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپ کی آواز پر ہماری آواز بلند ہو کر ہمارا ستیاناس ہی نہ کر دے ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : لَسْتَ هُنَاكَ یعنی تم اس کے اہل نہیں ہو ، تم ایمان کامل کے ساتھ زندہ رہو گے ۔ اور ایمان پر ہی تمہارا خاتمہ ہوگا ۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ مسجد نبویؐ میں ابوجعفر منصور عباسی خلیفہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مناظرہ کیا تو مناظرہ میں خلیفہ منصور کی آواز بلند ہو گئی ۔ امام مالک نے فرمایا ، خلیفہ ! اپنی آواز کو مسجد میں پست کرو ، کیا تم کو خداوندِ عالم کا حکم معلوم نہیں کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں اپنی آواز کو بلند نہ کرو ورنہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے ۔ اور اُن لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بلند آواز سے گفتگو کرتے تھے اور اُن لوگوں کی مدح کی گئی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی " بارگاہِ بیکس پناہ " میں اپنی آواز کو پست کرتے تھے ۔ امام مالکؒ نے کہا کہ جس طرح حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں پہلے زندہ تھے ، بالکل اُسی طرح اب بھی ہیں ، جن کے آداب کے بجالانے کی ہمیں پہلے ہدایت تھی وہ اب بھی ہے اور جس عزت و حرمت کا مدِّنظر رکھنا پہلے فرض تھا وہ اب بھی ہے ۔ خلیفہ منصور یہ سُن کر سہم گیا اور بالکل خاموش ہو گیا ۔

علامہ اسمٰعیل حقیؒ اپنی تفسیر " روح البیان " میں لکھتے ہیں کہ علمائے ربّانی ، حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں ۔ اس لیے اہلِ اسلام کے لیے ضروری ہے کہ اُن کی مجلس میں بھی اِنہی آداب کو پیش نظر رکھیں جو اُن کے مورث کے دربار میں بجالائے جاتے تھے ۔

صاحب رُوح البیان لکھتے ہیں کہ پہلے وقتوں میں جب کوئی جوان آدمی کسی بوڑھے شیخ کے آگے ہو کر چلتا تھا تو خداوندِ عالم اُس کو زمین میں غرق کر دیتا تھا کہ اُس نے کیوں بوڑھے شیخ کی بے ادبی کی ہے ، اس لیے اہلِ اسلام کو اب بھی لازم ہے کہ علماء صلحاء ، وارثِ انبیاء کے آگے ہو کر نہ چلیں ورنہ بے ادبوں کے زمرہ میں شمار ہوگا اور

"بے ادب محروم ماند از لطفِ رب" کا مصداق بننا پڑے گا۔

حضرت ابی الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ اس حال میں دیکھا کہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے آگے جا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر فرمایا، کیا تو اس شخص کے آگے ہو کر چلتا ہے جو دین اور دنیا میں تجھ سے بڑھ کر ہے اور تو اس شخص کے آگے چلتا ہے جس سے اکرم و افضل انبیاء کرام کے سوا، سورج اور چاند نے آج تک کسی کو نہیں دیکھا اور نہ دیکھے گا۔

۸۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صادق و مصدوق حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اَللّٰہُ یُعْطِیْ وَ اَنَا قَاسِمٌ (اللہ تعالیٰ دینے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں)۔ یعنی دنیا میں جو کچھ مال اور رزق اور علم اور حکومت و بادشاہی و انتظامِ ملک و خیرات وغیرہ وغیرہ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے وہ سب کچھ میری معرفت تقسیم ہوتا ہے اور میں ہر ایک چیز اور ہر ایک منصب کو مناسب موقع دیتا ہوں کیونکہ میرا نام قاسم اور میری کنیت ابوالقاسم ہے۔

حضرات گرامی قدر! یہ منصب جلیل اور فخرِ عظیم آج تک ہمارے رسولِ اعظم و افضل صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے ہی سردار اور ہمارے ہی مقتداء و رہنما حضور سیّدِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سب حضراتِ انبیاء کرام سے اشرف و افضل ہیں۔

۸۳۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عُرِضَ عَلَیَّ الْاَنْبِیَاءُ یعنی شبِ معراج مجھ پر تمام انبیائے کرام پیش کئے گئے۔ میں نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، معلوم ہوتا تھا کہ قبیلہ شنؤہ میں سے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو وہ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مشابہ تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ میرے مشابہ تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام

کو دیکھا تو وہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم شکل تھے۔

اس حدیث شریف میں دیکھنا یہ ہے کہ آپؐ نے عُرِضَ عَلَیَّ الْاَنْبِیَاءُ فرمایا، عُرِضْتُ عَلَیْھِمْ نہ فرمایا۔ اس کی حکمت کیا ہے؟ علامہ ملا علی قاری حنفیؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث واضح کر رہی ہے کہ ہمارے رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام "سلطان الانبیاء" ہیں۔ اسی لیے تو جملہ انبیائے کرام، آپ کے حضور پیش کئے گئے، نہ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضراتِ انبیاءِ کرام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ تمام حضراتِ انبیائے کرام لشکر کی مانند ہیں اور حبیبِ خدا سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ ہیں، جن کے سامنے لشکر پیش ہوتا ہے اور آپؐ معائنہ فرماتے ہیں۔ بدیں وجہ بعض عارفوں نے لکھا ہے کہ تمام حضراتِ انبیاءِ کرام مقدمۃ الجیش ہیں اور حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم قلبِ لشکر ہیں جو کہ بادشاہ کی جگہ ہوتی ہے۔ اور اولیائے امت، قیامت تک ساقہ ہیں جبکہ باقی تمام انسان و ملائکہ میمنہ و میسرہ ہیں۔

علامہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے آپؐ کی عظمتِ شان و افضلیت ثابت ہوتی ہے۔ اگر فہمِ سلیم سے کام لیا جائے تو علامہ صاحبؒ کی یہ بات بالکل درست اور سچ ثابت ہوتی ہے۔ ذرا سے سوچنے اور سمجھنے سے حق واضح ہو جائے گا۔

۸۴۔ حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے دور میں شیاطین مسلسل آسمانوں پر جاتے تھے اور وہاں کی خبریں لا کر کاہنوں کو پہنچاتے اور کاہن لوگوں کو کچھ سچی اور کچھ جھوٹی باتیں بتلا کر گمراہ کرتے تھے۔ ہمارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے وقت سے شیاطین میں تہلکہ مچ گیا تھا اور اُن کو آسمان پر جاتے وقت ستارے انگاروں کا کام دینے لگے۔ شیاطین حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے اور ہماری آمد و رفت یکایک کیوں بند ہو گئی؟ آخر تلاش کرنے سے انہیں پتہ چل گیا کہ محبوبِ خدا سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں جن کی عزت و حرمت کے باعث ہمارا آسمانی خبر و

کا چرانا بند ہوگیا ہے اور ہم پہ آگ برسنی شروع ہوگئی ہے۔

تفسیر ابن مخلد میں لکھا ہے کہ شیطان جس قدر رنج وغم کے ساتھ زندگی میں چار دفعہ رویا اور پیٹا ہے ایسا کبھی نہیں رویا۔

اوّل : جس وقت بوجہ نافرمانی اس کے گلے میں لعنت کا طوق پہنایا گیا۔

دوم : جس وقت آسمانوں سے اتارا گیا تھا۔

سوم : جس وقت محبوبِ خدا سرورِ انبیاء حضرت رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں جلوہ افروز ہوئے تھے۔

چہارم : جس وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہ فاتحۃ الکتاب نازل ہوئی تھی۔ ایک شاعر نے حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت شیطان کے رونے کو اس شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

لِمَوْلِدِہٖ قَدْ رَنَّ اِبْلِیْسُ رَنَّۃً

نَسْحَقَالَہٗ، مَا یُفِیْدُ رَنِیْنُہٗ

"حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت شیطان چیخا اور چلایا، اس کے لیے ہلاکت اور دوری ہو۔ اس کو چیخنا اور چلّانا کیا مفید ہو سکتا ہے؟

علامہ عطاء الخراسانیؒ نے لکھا ہے کہ جس وقت آیۂ شریفہ:

وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِاللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

"اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کر لے، پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔

(سورہ نسآء : ۱۱۰)

نازل ہوئی تو اس وقت بھی شیطان نے ایک ایسی دردناک چیخ ماری کہ تمام روئے زمین

سے شیطان کا لشکر جمع ہوگیا۔ دریافت کیا کہ تم نے ایسی دردناک چیخ کیوں ماری؟ شیطان نے کہا کہ آج مجھ پہ وہ مصیبت نازل ہوئی ہے جو اس سے پہلے نازل نہیں ہوئی تھی۔ پوچھا گیا کہ کونسی مصیبت؟ کہنے لگا کہ یہ آیۂ شریفہ وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا نازل ہوئی ہے جس نے میری کمر کو توڑ ڈالا ہے اور میرے حوصلہ کو پست کر دیا ہے کیونکہ میں اُمّتِ محمّدیہ کے لیے معاصی کو مزیّن کر کے اس کو اپنی حسبِ منشا چلانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس آیت نے میرے کاروبار کو تہ وبالا کر دیا ہے۔ کیونکہ اُمّتِ محمّدیہ گناہ کرنے کے بعد جب استغفار کرے گی تو میری کوشش ضائع ہو جائے گی اور وہ سب بخشی جائے گی۔ مجھے یہ ایسا صدمہ پہنچا ہے کہ کبھی نہیں پہنچا تھا۔ اچھا! اب میں اس امّت کے افراد کو اس طرح گمراہ کروں گا کہ بدعات کو اُن کے سامنے مزیّن کر کے پیش کر دوں گا۔ اور وہ اُن کو دین بنا کر اس پہ عمل کریں گے اور اس سے توبہ و استغفار نہ کریں گے کیونکہ وہ بدعات کو دین سمجھیں گے۔

لکھا ہے کہ شیطان نے نزولِ آیت کے بعد اپنے لشکر سے مشورہ لیا تھا کہ اُمّتِ محمّدیہ کو گمراہ کرنے اور صراطِ مستقیم سے ہٹانے کے لیے کیا حیلہ کیا جائے؟ سوچو اور بتلاؤ، تمام لشکر حیران و پریشان تھا اور سوچتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ پھر شیطانِ رجیم نے خود ہی کہا کہ میں نے سوچا ہے کہ یہ اُمّتِ خیرالامم ہے۔ اس کو بہکانے کا یہی ایک طریقہ معلوم ہوتا ہے کہ بدعات کو دین بنا کر اس کے سامنے پیش کیا جائے، وہ دین سمجھ کر بدعات پہ عامل ہوگی اور توبہ و استغفار کا نام نہ لے گی، وہ گمراہ ہوگی اور ہمارا مقصد پورا ہوگا۔

سب نے سن کر مرحبا اور آفریں کہا۔ جاننا چاہیئے کہ شیطان ہمارا دیرینہ دشمن ہے، یہ شب و روز اسی کوشش میں رہتا ہے کہ افضل الرسل کی اُمّت کے اعمال خراب و خستہ ہوں اور قیامت کے دن یہ سب کے سامنے رُسوا ہو۔ اس لیے اس سے آگاہ رہو اور ہر وقت توبہ و استغفار سے کام لے کر اس سے دھوکا نہ کھاؤ۔ یہ ہر حیلہ اور بہانہ سے تم کو تکلیف

دینے کی سعی کرتا ہے۔ اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ رَبِّیۡ مِنۡ کُلِّ ذَنۡبٍ وَّ اَتُوۡبُ اِلَیۡہِ لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ۔ (خصائص کبریٰ، جواہر البحار)

۸۵۔ علامہ ابوالحسن جمال فقیہ شافعیؒ سے سوال کیا گیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم افضل واعلیٰ ہیں یا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام؟ آپ نے فرمایا، حضور سید عالم محمد مصطفیٰ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم افضل و اشرف ہیں۔ سائل نے کہا، اس دعویٰ پر دلیل کونسی ہے؟ فرمایا خداوند عالم جل جلالہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اپنی ذات کے مابین "لام" ملک کا لاکر وَاصۡطَنَعۡتُکَ لِنَفۡسِیۡ (اور میں نے تم کو خاص اپنے واسطے بنایا۔) قرآن میں فرما کر فرق واضح کر دیا ہے اور حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ۔ (سورہ الفتح: ۱۰)

"تحقیق جو لوگ تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔"

نازل فرما کر ثابت کر دیا ہے کہ کلیم تو مقام وصف ہے اور حبیب قائم مقام ذات ہے۔ اب جو فرق ذات اور وصف میں ہوتا ہے وہی فرق ان دونوں حضرات میں موجود ہے (جواہر البحار)

۸۶۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک نصرانی، مصر میں آیا۔ اُس نے کہا کہ میرا ایک شبہ ہے، اگر وہ دور ہو جائے تو میں صدق دل سے مسلمان ہو جاؤں گا۔ دارالحدیث کاملیہ میں حضرات علمائے کرام جمع ہوئے۔ شیخ عزالدین بن سلام جواب دینے کے لیے تیار ہوئے۔ نصرانی نے کہا، متفق علیہ افضل ہوتا ہے یا مختلف فیہ؟ شیخ عزالدین نے کہا متفق علیہ افضل ہوتا ہے۔ نصرانی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ہمارا ایمان اور تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے اور حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں اختلاف ہے۔ اہل اسلام تو آپؐ کو رسولِ برحق تسلیم و یقین کرتے ہیں اور نصرانی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی و رسول تسلیم نہیں کرتے۔

اس لیے تمہارے قول کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام افضل و اعلیٰ ہیں۔

شیخ عزالدین رحمۃ اللہ علیہ یہ جواب سُن کر سر نیچے کر کے سوچنے لگے، یہاں تک کہ دیر ہو گئی اور مسلمان گھبرا گئے۔ پھر شیخ، نصرانی کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان کو تو تم تسلیم کرتے ہو یا نہیں؟ اُس نے کہا، ہاں فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خوشخبری سنائی تھی کہ میرے بعد ایک عظیم الشان رسول آئے گا، جس کا اسم گرامی احمد ہوگا۔ ہمارے قرآن شریف میں اس کی تصدیق بایں الفاظ موجود ہے:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ۔ (پارہ ۲۸ سورہ الصف، آیت ۶)

"اور خوشخبری سناتا ہوا اُن رسول کی جو میرے بعد تشریف لائیں گے، اُن کا نام احمد ہے۔"

اس لیے تم پر لازم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان کی تابعداری کرو اور جس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری سنا گئے ہیں اُن پر صدق دل سے ایمان لا کر نجاتِ ابدی حاصل کرو کیونکہ اپنے سے افضل و اشرف کی خوشخبری لوگوں کو سنائی جاتی ہے۔ ہم اہل اسلام تو مطابق خوشخبریٔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے ہیں۔ اب تم بھی مبشر و افضل کے غلام بن جاؤ۔ نصرانی نے اُس وقت اہل اسلام کے رُوبرو کلمۂ شہادت پڑھا اور صدق دل سے مسلمان ہو کر حضرت رسول اکرم و افضل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی افضلیت کا قائل ہو گیا۔ (جواہر البحار فی فضائل النبی المختار)

۸۷۔ حضرت رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَا تَجۡتَمِعُ اُمَّتِیۡ عَلَی الضَّلَالَۃِ

"میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوگی۔"

یہ خصوصیت اور یہ شرف و فضیلت ہمارے نبی افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے سوا اور کسی نبی کی امت کو عطا نہیں ہوئی۔ معلوم ہوا کہ جس کی امت، اوصاف

ومحاسن میں باقی امتوں (امم سابقہ) سے ممتاز ہے تو اس امت کا سردار بھی ہر ایک وصف و خوبی میں تمام انبیائے کرام سے اشرف و اعلیٰ ہے۔

۸۸۔ قرآن مجید فرقان حمید خبر دے رہا ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی امت عادل اور صاحب خیر ہے بدیں وجہ قیامت کے دن باقی امتوں پر گواہی دے گی۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تمہیں سب امتوں میں افضل کیا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ ہو۔ پارہ ۱، سورۃ بقرہ: ۱۴۳) اس معنی کی دلیل ہے۔

مروی ہے کہ انبیائے سابقین کی امتیں خداوند عالم کے حضور میں کہیں گی کہ ہم کو تیرے احکام سے باخبر نہیں کیا گیا اور ہمارے پاس تیری طرف سے کوئی رسول نہیں پہنچا، ہمارے پاس کوئی مبلغ نہیں آیا جس نے تبلیغ کی ہو۔ ہم بے گناہ ہیں اس لیے ہمیں معافی دی جائے۔

تمام انبیائے کرام حاضر ہوں گے اور کہیں گے کہ ہم نے تیرے احکام کی تبلیغ کر کے ان لوگوں کو بار بار تیری رضامندی اور ناراضگی سے واقف کیا۔ انہوں نے ہماری مخالفت کی اور ہمارا مذاق اڑایا اور تیری قدوسیت پر دھبہ لگایا۔ ہمیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں اور تبلیغ کو بالکل پسند نہ کیا۔ بارگاہِ عالی سے حکم ہوگا، شاہد پیش کرو کہ واقعی تم نے حق تبلیغ ادا کر دیا ہے۔ انبیائے کرام عرض کریں گے کہ ہماری طرف سے شاہد امتِ محمدیہ ہے۔ امتِ محمدیہ حاضر ہوگی اور شہادت دے گی کہ حضرات انبیائے عظام سچے ہیں۔ انہوں نے اپنا حق ادا کر دیا تھا اور تیرے احکام کی ان لوگوں کو تبلیغ کر دی تھی لیکن انہوں نے ان کو تسلیم نہ کیا بلکہ الٹی تکلیفیں پہنچائی تھیں۔

امم سابقہ اعتراض کریں گی کہ ہمارے دور میں تو امتِ محمدیہ موجود ہی نہ تھی لہٰذا اس کی شہادت قابلِ تسلیم نہیں، ان کو کیسے خبر ہے کہ ہم نے اُن کی نافرمانی کی تھی۔ امتِ

محمدیہ کہے گی کہ ہم کو قرآن شریف نے بتلایا ہے اور مولیٰ حقیقی نے بزبانِ رسول اکرم و افضل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں آگاہ کیا ہے کہ پہلی اُمتوں کے پاس رسول پہنچے تھے لیکن اُمتوں نے نافرمانی کی تھی۔ مولیٰ حقیقی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید صادق ہیں، اس لیے ہمیں یقین ہے کہ ان کی خبر بھی صادق ہے اور مطابقِ واقع ہے۔ پھر عدالت اور تزکیہ اُمتِ محمدیہ کے ضرورت پڑے گی تو حضرت رسولِ اکرم شفیع الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا کر فرمائیں گے کہ میری امت عادل ہے، اس کی شہادت قابلِ قبول ہے۔ بعدہٗ فیصلہ انبیائے کرام کے حق میں ہوگا اور امتیں ذلیل و رُسوا ہوں گی۔

اس تمام واقعہ سے بھی اُمتِ محمدیہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ فضیلت اُمت کو افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت و مہربانی سے عطا ہوئی — تو معلوم ہوا کہ اس امتِ مرحومہ کا نبیٔ رحیم بھی سب اُمتوں کے مبلغین سے افضل و اشرف ہے۔

۸۹۔ عصمتِ انبیائے کرام اعتقادی اور یقینی مسئلہ اور حسنات الابرار سیئات المقربین بھی جملہ مصدقہ ہے۔ اسی بنا پر خداوند تعالیٰ جل جلالہٗ نے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں سورۂ فتح کی ابتدا میں امت کے غفرانِ ذنوب کا حکم سنا کر واضح کر دیا ہے کہ اس شان اور عظمت کا کوئی اور نبی و رسول نہیں ہے۔

حضرات! آپ تحقیق کی نظر سے دیکھیں گے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ فضیلت ہمارے حبیب کے سوا کسی اور پیغمبر کو نصیب نہیں ہوئی۔ قطعیت کے ساتھ کسی نبی کی اُمت کو کسی کتاب میں غفرانِ ذنوب سے موصوف نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اعتقاد کے لحاظ سے سب حضرات انبیاء معصوم ہیں لیکن مولیٰ حقیقی نے ہمارے نبیٔ رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو بھی اس صفتِ خاص سے مزین نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ آپ ہی سرورِ انبیاء اور تاجِ اصفیاء ہیں۔ اور آپ ہی محبوبِ خدا اور کلی طور پر افضل الرسل ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ اس عظیم الشان مرتبہ کے باوجود حضور سیدِ عالم

صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میں ستر ستر دفعہ استغفار کیوں پڑھتے تھے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار پڑھنا آپ کے کمال کو نقصان نہیں پہنچاتا اور نہ ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ گنہگار ہونے کے بعد استغفار پڑھتے تھے ۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ استغفار سے انسان کو اجرِ عظیم اور ثوابِ فخیم دیا جاتا ہے ۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم استغفار پڑھتے تھے ۔ دوئم ۔ اُمت کو تعلیم دینی مقصود تھی ۔ سوئم حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہر لحظہ ، ہر آن میں مقاماتِ عالیہ کی طرف ترقی کرتے تھے ۔ جب حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ سابق کو مقامِ لاحق کے لحاظ سے غیر کامل اور ناقص دیکھتے تھے تو اس وقت آپ مقامِ سابق سے استغفار پڑھتے تھے اور مقامِ عالی کے طالب نظر آتے تھے ۔

۹۰ ۔ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میں ہی قبر سے نکلوں گا اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور میری سفارش سب سے پہلے قبول ہوگی ۔ اور خاص کر میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور مقامِ وسیلہ میرے سوا کسی کو نصیب نہ ہوگا ۔ قیامت کے دن جس وقت سب لوگ بے ہوش ہوں گے تو اس وقت صرف میں ہی ہوش میں ہوں گا ۔ اور میرا حشر اُن ستر ہزار فرشتوں کے درمیان ہوگا جو ہمیشہ میری قبر پہ استغفار و درود شریف کا وظیفہ کرنے پہ مامور ہیں ۔ اور خصوصیت کے ساتھ براق میری سواری کے لیے مقرر ہوگا ۔ جنت میں سے خاص طور پہ مجھے ہی دو حلے مقامِ خاص پہ پہنائے جائیں گے اور میرے نام کی تشہیر کی جاوے گی اور عرش کی دائیں طرف کھڑے ہونے کے لیے مجھے ایسا مقام دیا جائے گا کہ اور کسی کو اس مقامِ خاص کا ملنا ناممکن ہے ۔ وہ ایسا مقام ہے جس میں اولین و آخرین مجھ پہ رشک کریں گے ۔ میں ہی محشر کے دن انبیاء کا امام ہوں گا اور میں ہی اُن کا خطیب اور قائد ہوں گا اور میں ہی سب سے پہلے خداوندِ عالم کا دیدار کروں گا اور میرے

لیے سب سے پہلے سجدہ کرنے کا حکم ہوگا اور سب سے پہلے سجدہ سے میں ہی سر اٹھاؤں گا اور مجھ سے تبلیغِ رسالت پہ کوئی شاہد طلب نہیں کیا جائے گا اور مجھے چھ دفعہ شفاعت کرنے کا فخر دیا جائے گا ۔ اوّل ، شفاعتِ عظمیٰ فصل قضا میں ۔ دوئم ، شفاعت کہ میری امّت سے جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں ۔ سوئم ، شفاعت اُن مسلمان گنہ گاروں کی جو مستحقِ نار ہیں کہ وہ دوزخ میں داخل نہ ہوں ۔ چہارم ، شفاعت کفار کی کہ اُن سے عذاب ہلکا کیا جاوے ۔ پنجم ، شفاعت کہ مشرکوں کے چھوٹے بچے عذاب میں نہ ڈالے جائیں ۔ ششم ، شفاعت کہ اہلِ ایمان کے جنت میں درجات و مراتب بلند ہوں ۔ (خصائص کبریٰ)

۹۱ ۔ محبوبِ خدا رسولِ اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے مکۂ مکرمہ میں کسی کو بھی لڑائی کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی اور نہ ہی کسی کو پہلے یہ حکم ہوا ہے کہ وہ بغیر احرام خانۂ خدا میں داخل ہو ۔ مجھے تھوڑی دیر کے لیے خصوصیت کے ساتھ یہ اجازت دی گئی ہے کہ میں مکۂ مکرمہ میں بغیر احرام داخل ہو کر کفار کے ساتھ جہاد کروں ۔ ناظرین ! یہ شرافت و فضیلت بھی ہمارے نبیٔ رحیم کے سوا اور کسی رسول و نبی کو عطا نہیں ہوئی تھی ۔ (خصائص کبریٰ)

۹۲ ۔ والئ دو جہاں مالکِ جن و انس حضرت محبوبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ خاص مرتبہ ہے کہ آپ کسی امتی کو بلائیں تو وہ فوراً لبیک کہے اگرچہ وہ نماز میں ہی کیوں نہ ہو ۔ بخاری شریف میں مرقوم ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعید بن معلّی کو بلایا تو وہ خاموش ہو رہے ۔ تھوڑی دیر بعد حاضرِ خدمت ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استفسار فرمایا کہ تم نے میری آواز کا جواب کیوں نہیں دیا ؟ عرض کیا ، میں نماز پڑھ رہا تھا ۔ فرمایا ، کیا تجھے معلوم نہیں کہ خداوندِ عالم کا ارشاد ہے ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ " اے ایمان والو ! جب تمہیں اللہ اور رسول بلائیں تو تم اُن

کو جواب دو" یعنی حاضر ہو جاؤ۔ (پارہ: ۹ سورہ الانفال آیت ۲۴) قارئین کرام! خیال فرمائیں کہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کس قدر ہے؟ (مدارج النبوۃ، شفاء شریف، مواہب لدنیہ وغیرہ)

۹۳۔ یوم الحساب کو ربِّ قہار جب اپنی قہاری کی تجلی دکھائے گا تو سب حضرات انبیائے کرام و رُسلِ عظام نفسی نفسی کا مظاہرہ کریں گے۔ اور اپنی پیاری اُمتوں کو فراموش کر دیں گے۔ وہاں صرف ایک ہی ذات رؤف و رحیم حریصٌ علیکم کی جلوہ افروزی ہو گی جو اپنی ذات کو چھوڑ کر اُمتی اُمتی کی آواز دے گی۔ اور اُمّت مرحومہ کو اپنی جان پر ترجیح دے گی۔ اس فضیلت اور اس مرتبت کا انسانِ کامل تلاش کریں گے تو ہمارے نبی کریم رؤفٌ رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں ملے گا۔ ناظرین! آپ کے خیال میں اُمّت کا ایسا ہمدرد اور دلی خیر خواہ اور پھر اس پر حریص کوئی اور نبی موجود ہو تو آپ نام لیں تاکہ ہم بعد از موازنہ فیصلہ کریں کہ یوم الحشر کو اُمّت کا وظیفہ کون پڑھ رہا ہے اور اپنے نفس کو کون یاد کر رہا ہے۔ (بخاری و مسلم)

۹۴۔ خداوندِ عالم کو تمام انبیاء میں سے اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر عزت و حرمت مدِ نظر ہے، کسی اور کی نہیں۔ قیامت تک سب اہلِ اسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل و اولاد سے محبت و مؤدت رکھیں۔ یہ مرتبہ اور شرف کسی اور نبی کی اولاد کو نہیں بخشا گیا۔ بات یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلق ہے، اُس کے ساتھ محبت رکھنا اہلِ ایمان کا فرض ہے۔ حبیبِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تم عرب کے ساتھ محبت رکھو کیونکہ میں عربی ہوں، قرآن عربی ہے اور اہلِ جنت کی زبان عربی ہو گی

معلوم ہوا کہ افضل الرسل کی شرافت و فضیلت مالکِ دو جہاں کو اس قدر منظور ہے کہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے عربی ہونے کے باعث اہلِ جنت کی بولی بھی عربی مقرر

فرما دی حالانکہ دنیا میں ہزاروں زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن خالقِ کُل کو جس قدر عربی کے ساتھ خاص تعلق ہے کسی اور زبان کے ساتھ نہیں۔ اگر ہوتا تو ضرور اہلِ جنت کی وہی زبان مقرر ہوتی۔ اِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ (جب ایسا نہیں ہے تو پس نہیں ہے)۔

۹۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ

"جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔"

دوسری جگہ یہ الفاظ ہیں:

مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ

"جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی۔"

ایک تیسری حدیث میں یوں وارد ہے:

مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔

"جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی پس تحقیق اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔"

یہ خصوصیت اور یہ مرتبہ بھی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو نہیں بخشا گیا کہ قبر کی زیارت سے شفاعت واجب ہو اور قبر کی زیارت گویا اہلِ قبر کی زیارت متصور ہو اور زیارت نہ کرنے والا ظالم ثابت ہو، اگر کسی اور نبی کی شان میں ایسے الفاظ وارد ہوئے ہوں تو پیش کیے جائیں تاکہ معلوم ہو کہ باعتبارِ مرتبت و منزلت سب مساوی ہیں یا مختلف۔

۹۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا اس امر کو واضح کر رہا ہے کہ نبوت کا ختم ہونا اُس کے کمال کی نشانی ہے یعنی نبوت میں جن اوصافِ حسنہ و اخلاقِ حمیدہ

کی کمی رہ گئی تھی ان کو ہمارے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر پورا کیا ہے۔ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ. "میں اس لیے مبعوث ہوا ہوں تاکہ مکارمِ اخلاق کو تکمیل تک پہنچاؤں۔"

معلوم ہوا کہ حضراتِ انبیاءِ کرام کی بعثت کے زمانہ میں مکارمِ اخلاق غیر مکمل رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے بھیجا گیا تاکہ آپ مکارمِ اخلاق کی کماحقہ تکمیل کریں۔

بعض حضرات علمائے کرام نے لکھا ہے کہ تکمیل مکارمِ اخلاق کا معنیٰ یہ نہیں کہ جو اخلاقِ برگزیدہ باقی رہ گئے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اُن سے ہی موصوف تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جن مکارمِ اخلاق کے تمام حضراتِ انبیائے کرام مالک تھے، اُن سب سے بمع بقیہ مکارمِ اخلاق، حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم مزیّن تھے ؎

جُدا جُدا تمام وَصف جو انبیاء میں تھے وہ سب کے سب جدِ شہِ کربلا میں تھے

قارئین حضرات! جن اوصافِ حمیدہ، اخلاقِ جمیلہ، شمائلِ حسنہ، خصائلِ برگزیدہ مکارمِ اخلاق سے انبیائے کرام خالی تھے وہ سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں پائے جاتے تھے اور آپ ہر طرح سے کامل و مکمل تھے۔ ختمِ نبوت کا یہی معنی ہے کہ نبوت آپ کے ذریعے سے تکمیل کو پہنچ گئی۔ بعد از تکمیل کسی مصنوعی، جعلی، افتراء پرداز دجّال کا دعویٰ نبوت کرنا قرآن اور حدیث کا انکار ہے۔ اگر کوئی شخص ختمِ نبوت سے واقفیت رکھنے کے باوجود دعوئ نبوت کرے تو اس کے کفر میں رائی برابر بھی شک نہیں ہے۔

۹۷۔ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اُمّی لقب تھے لیکن جس قدر علومِ غیبیہ، اسرارِ خفیہ اور رموزِ خفیہ سے آپ واقف تھے، باقی حضرات انبیائے کرام نہیں تھے۔

مسلم شریف میں ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صحابہ کرام کو خطبہ سنایا، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ فَاَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ یعنی سرکار نے کل واقعات و حوادث جو قیامت تک ہونے والے تھے، بیان فرما دیئے۔

علامہ ملّا علی قاریؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کلیات و جزئیاتِ کائنات کے عالم ہیں اور اُن اُمور سے جو گزر چکے ہیں اور قیامت تک جو گزریں گے، سب پہ آپ محیط ہیں۔

بخاری شریف میں وارد ہے :

قَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحُ خَزَائِنِ الْاَرْضِ۔ "تحقیق زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئی ہیں۔"

ایک اور حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے :

قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰی دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ ......الخ "ایک جگہ حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھڑے ہو کر ابتدائے خلق سے لے کر اخیر تک تمام حالات جنتیوں دوزخیوں اور معاش و معاد کے بیان فرما دیئے۔"

طبرانی میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے :

اُوْتِیَ نَبِیُّکُمْ عِلْمَ کُلِّ شَیْئٍ "حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا ہے۔"

ترمذی شریف میں روایت ہے کہ خداوندِ عالم نے میرے دونوں شانوں کے درمیان دستِ قدرت رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے سینہ میں پائی۔ پس مجھے مشرق

مغرب کی درمیانی موجودات کا علم ہو گیا۔

فتح الباری میں ایک روایت ہے:

فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ "پس مجھے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کا علم ہو گیا۔"

علامہ سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ ہر روز صبح و شام حضور علیہ السلام پر آپ کی امت پیش کی جاتی ہے، آپ اپنی امت کو دیکھتے ہیں، اُن کے اعمال و افعال پہچانتے ہیں اور قیامت کے دن امت پر گواہ ہیں۔

عراقی نے شرح مہذب میں لکھا ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام مخلوق حضرت آدم علیہ السلام تا روزِ محشر پیش ہو چکی ہے۔ پس آپ تمام مخلوق کو اس طرح پہچانتے ہیں، جس طرح حضرت آدم علیہ السلام 'اسماء' کو پہچانتے تھے۔

احادیث مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر علوم غیبیہ عطا کئے گئے کہ مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ (جو کچھ تھا اور جو کچھ ہے) بھی اُن علوم کے سامنے ہیچ ہیں اور آپ کا اعلم ہونا تو صحابہ کرام کے قول "اللّٰہ و رسولہ اعلم" (اللہ اور اس کا رسول جانتے ہیں) سے ہزار جگہ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔ صاحب قصیدہ بردہ فرماتے ہیں:

وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم میں سے لوح اور قلم کا بھی ایک علم ہے۔ آپ کو خداوندِ عالم نے اس قدر علوم عطا کئے ہیں کہ علم لوح و قلم بھی اس کا ایک حصہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں: اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ (مجھے پہلوں اور پچھلوں کا علم دیا گیا ہے۔)

صاحب قصیدہ بردہ کیا خوب فرماتے ہیں:

فَاقَ النَّبِیِّیْنَ فِیْ خَلْقٍ وَّ فِیْ خُلُقٍ
وَ لَمْ یُدَانُوْہُ فِیْ عِلْمٍ وَّ لَا کَرَمٍ
وَ کُلُّھُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ مُلْتَمِسٌ
غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّیَمِ
فَاِنَّہٗ شَمْسُ فَضْلٍ ھُمْ کَوَاکِبُھَا
یُظْھِرْنَ اَنْوَارَھَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حسنِ صورت اور حسنِ سیرت میں سب پیغمبروں سے سبقت لے گئے اور کوئی پیغمبر بھی آپ کے رتبہ علم اور سخاوت تک نہیں پہنچا۔"

تمام حضرات انبیاء کے علوم کو آپ کے علم کے ساتھ اس طرح نسبت ہے جس طرح ایک چلو پانی کو سمندر سے یا قطرۂ آب کو بارش سے۔

حبیبِ خدا فضل و بزرگی کا سورج ہیں اور تمام انبیاء اس کے ستارے ہیں جو کہ اپنے انوار سے لوگوں کو اندھیرے میں فائدہ پہنچاتے ہیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو علوم غیبیہ و اسرار خفیہ علیٰ وفق ارادۃ اللہ عنایت ہوئے ہیں۔ بالخصوص سرورِ عالم فخرِ آدم و آدمیاں صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح کہ دیگر مناقب میں مخلوق پر برتری حاصل ہے اسی طرح حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس صفت میں بھی سب سے ممتاز، اعلیٰ اور افضل ہیں۔

۹۸۔ یہ مرتبہ اور شرف ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور رسول و نبی کے اہل بیت کو نہیں سنایا گیا کہ وہ رجس و شرک سے قطعی طور پر منزّہ و مبرّا ہیں۔ خالق

دوجہاں نے یہ آیتِ تطہیر نازل فرما کر سب پر روشن کر دیا کہ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت مقدس و مطہر ہیں اور تمام پلیدیوں اور آلودگیوں سے پاک و صاف ہیں:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا ۝

"اللہ تو یہی چاہتا ہے، اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔"

(پارہ ۲۲ سورہ الاحزاب آیت ۳۳:)

اہلِ بیت کو یہ شرافت و کرامت محبوبِ خدا والیٔ دوجہاں افضل الرسلؐ کے تعلق سے حاصل ہوئی ہے۔ نہ اس شان کا پہلے کوئی رسول ہوا اور نہ ہی اس کی اہلِ بیت کو اس کے تعلق کی وجہ سے یہ عظمت نصیب ہوئی۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے، عطا کرتا ہے۔) (پارہ ۲۸ سورہ الجمعہ : ۴)

۹۹۔ طبرانی، معجم اور بیہقی اور علامہ قاضی عیاض نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَسَمَ الْخَلْقَ قِسْمَیْنِ فَجَعَلَنِیْ مِنْ خَیْرِہِمْ قِسْمًا فَذٰلِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ فَاَنَا مِنْ اَصْحَابِ الْیَمِیْنِ وَاَنَا خَیْرُ اَصْحَابِ الْیَمِیْنِ ثُمَّ جَعَلَ الْقِسْمَیْنِ اَثْلَاثًا فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِہَا ثُلُثًا وَ ذٰلِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ وَ السّٰبِقُوْنَ فَاَنَا مِنَ السَّابِقِیْنَ وَ اَنَا خَیْرُ السَّابِقِیْنَ ثُمَّ جَعَلَ الْاَثْلَاثَ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِیْ مِنْ خَیْرِہَا قَبِیْلَۃً ذٰلِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ فَاَنَا اَتْقٰی وُلْدِ آدَمَ وَ اَکْرَمُہُمْ عَلَی اللّٰہِ وَ لَا فَخْرَ ثُمَّ جَعَلَ الْقَبَائِلَ بُیُوْتًا فَجَعَلَنِیْ مِنْ خَیْرِہَا بَیْتًا وَ ذٰلِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا۔

"اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی دو قسمیں کیں تو مجھے بہتر قسم میں رکھا اور یہ وہ بات ہے جو خدا نے فرمائی، داہنے ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے، تو میں داہنے ہاتھ والوں سے ہوں اور میں سب داہنے ہاتھ والوں سے بہتر ہوں اور پھر ان دو قسموں کے تین حصے کئے تو مجھے بہتر حصے میں

رکھا اور یہ خدا کا وہ ارشاد ہے کہ داہنے ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے اور سابقین تو میں سابقین میں ہوں اور میں سب سابقین سے بہتر ہوں، پھر ان حصوں کے قبیلے مقرر کئے تو مجھے بہتر قبیلے میں رکھا اور یہ خدا کا وہ فرمان ہے کہ وہ ہم نے کیا تمہیں شاخیں اور قبیلے (یعنی الیٰ قولہ تعالیٰ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ) بے شک تم سب میں زیادہ عزت والا خدا کے یہاں وہ ہے جو تم سب میں زیادہ پرہیزگار ہے تو میں سب آدمیوں سے زیادہ پرہیزگار ہوں اور سب سے زیادہ اللہ کے ہاں عزت والا اور کچھ فخر مراد نہیں۔ پھر ان قبیلوں کے خاندان تجویز کئے تو مجھے بہتر خاندان میں رکھا اور یہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے کہ خدا یہی چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کرے۔ اے نبیؐ کے گھر والو! اور تاکہ تمہیں خوب پاک کر دے، ستھرا کر دے۔"

اس حدیث شریف سے بھی بیّن طور پر شان حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوتی ہے۔

١٠٠ - نبی رحیم وکریم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت ذیل کی حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے ' ابن عساکر اور بزار نے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

خِيَارُ وُلْدِ اٰدَمَ نُوْحٌ وَّاِبْرَاهِيْمُ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مُحَمَّدٌ وَخَيْرُهُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

"بہترین اولادِ آدم پانچ ہیں:- نوح وابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ و محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان سب سے بہتروں میں بہتر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

انہیں پانچ پیغمبروں کو اولوالعزم بھی کہتے ہیں۔

١٠١ - دارمی میں حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَدْرَكَ بِيَ الْاَجَلَ الْمَرْحُوْمَ وَ اخْتَصَرَ لِيْ اِخْتِصَارًا فَنَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ وَنَحْنُ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاِنِّيْ قَائِلٌ قَوْلًا غَيْرَ فَخْرٍ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَ مُوْسٰى صَفِيُّ اللّٰهِ وَ اَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَمَعِيَ لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

"جب رحمتِ خاص کا زمانہ آیا' اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا فرمایا اور میرے لیے کمال اختصار کیا۔ ہم دنیا میں پچھلے اور روزِ قیامت میں اگلے ہیں اور میں ایک بات کہتا ہوں جس میں فخر و ناز کو دخل نہیں۔ ابراہیم اللہ کے خلیل اور موسیٰ' اللہ کے صفی اور میں اللہ کا حبیب ہوں اور میرے ہاتھ قیامت کے دن لواء الحمد ہوگا"

(الحدیث)

محبوبِ خدا حضور سیدِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیثِ مذکور میں: وَاخْتَصَرَ لِيْ اِخْتِصَارًا جو جملہ فرمایا ہے' اس کی توضیح وتشریح میں حضرات

علمائے کرام کے بہت سے قول ہیں جن سے چند آپ کے سامنے بیان کئے جاتے ہیں:

اوّل: مجھے اختصارِ کلام بخشا کہ لفظ تھوڑے ہوں اور معنی کثیر۔

دوم: میرے لیے زمانہ مختصر کیا کہ میری امت کو قبروں میں کم دن رہنا پڑے۔

سوم: یہ کہ میرے لیے امت کی عمریں کم کیں کہ تکالیفِ دنیا سے جلدی خلاصی پائیں۔ گناہ کم ہوں۔ نعمتِ ابدی تک جلد اُن کا وصول ہو۔

چہارم: میرے غلاموں کے واسطے پلصراط کی راہ جو کہ پندرہ ہزار برس کی ہے' اتنی مختصر کردے گا کہ چشم زدن میں گزر جائیں گے۔

پنجم: قیامت کا دن جو کہ پچاس ہزار برس کی راہ ہے' میری امت کے لیے اس سے اتنی کم مدت میں گزر جائے گا کہ جتنی دیر میں دو رکعت پڑھی جاتی ہے۔

ششم: زمین سے عرش تک لاکھوں برس کی راہ میرے لیے ایسی مختصر کردی کہ آنا جانا اور تمام مقامات کو تفصیلاً ملاحظہ فرمانا' سب تین ساعت میں ہوگیا۔

ہفتم: علوم ومعارف جو ہزارہا سال کی محنت وریاضت میں حاصل نہ ہوسکیں' میری چند روزہ خدمت گاری میں میرے اصحاب پر منکشف فرمادیئے۔

ہشتم: مشرق تا مغرب تک کی وسیع وعریض دنیا کو میرے سامنے ایسا مختصر بنادیا کہ میں اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے' سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں کہ جیسا کہ اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

نہم: مجھ پر ایسی کتاب اُتاری جس کے محدود اوراق میں تمام اشیائے گزشتہ وآئندہ کا روشن اور مفصل بیان' جس کی ہر آیت کے نیچے ساٹھ ساٹھ ہزار علم' جس کی ایک آیت کی تفسیر سے ستر ستر اونٹ بھر جائیں' اس سے زیادہ اور کیا اختصار ہوسکتا ہے۔

دھم: اگلی امتوں پر جو اعمالِ شاقّہ طویلہ تھے۔ میری امّت سے اٹھا لیے، پچاس نمازوں کی پانچ رہیں اور ثواب میں پوری پچاس، زکوٰۃ میں چہارم مال کا چالیسواں حصہ رہا اور کتابِ فضل وکرم میں رُبع کا رُبع۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ سید المرسلین محمد وآلہٖ واصحابہٖ واحبابہٖ اجمعین۔

۱۰۲۔ حضرت رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میں اور میری امت قیامت کے دن سب سے اُونچی بلندیوں پر ہوں گے۔ اس دن کوئی ایسا نہ ہوگا جو یہ تمنا نہ کرے کہ کاش وہ ہم میں سے ہوتا۔

۱۰۳: طبرانی اور بیہقی میں حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے:

قَالَ لِیْ جِبْرِئِیْلُ قَلَّبْتُ	"جبریل نے مجھ سے عرض کی، میں نے
الْاَرْضَ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا	مشرق و مغرب ساری زمین اُلٹ پلٹ
فَلَمْ اَجِدْ رَجُلاً اَفْضَلَ	کر دیکھی کوئی شخص مجھے حضرت محمد صلی
مِنْ مُحَمَّدٍ وَلَمْ اَجِدْ بَنِیْ	اللہ علیہ وسلم سے افضل نظر نہ آیا نہ کوئی
اَحَدٍ اَفْضَلَ مِنْ بَنِیْ ھَاشِمْ	بنی ہاشم سے بہتر معلوم ہوا۔"

اس حدیثِ صحیح سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت مطلقہ ثابت ہوتی ہے کیونکہ حضرت جبریلؑ ایسے آدمی کی تلاش سے عاجز رہے جو ہمارے نبیٔ رحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو۔

۱۰۴۔ علامہ ابو نعیم "کتاب المعرفہ" میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، مجھ سے ایک فرشتہ نے سلام کے بعد عرض کہ کہ میں مدت سے اپنے رب سے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدمبوسی کے لیے اجازت مانگتا تھا یہاں تک کہ اب اس نے اذن دیا۔ میں حضور علیہ السلام کو مژدہ سناتا

ہوں کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کو حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی عزیز اور پیارا نہیں۔

۱۰۵۔ طبرانی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو اُن میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو پسند فرمایا اور اسے اپنی ذات کے لیے چُن لیا۔ بیہقی میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حضور تمام مخلوقِ الٰہی سے عزّت و کرامت میں زائد ہیں۔

۱۰۶۔ ہمارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام حضرات انبیائے کرام پر خصوصیت کے ساتھ شرافت و عزّت بخشی گئی ہے۔ ہر ایک آدمی کے ساتھ دو ساتھی رہتے ہیں۔ ایک تو نیکیوں کی ہدایت کرتا رہتا ہے۔ دوسرا برائیوں کی رہنمائی کا کام دیتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر یہ فخر دیا گیا ہے کہ آپ کا بُرا ساتھی بھی مسلمان ہو گیا تھا اور آپؐ اس کے شر سے ہر وقت محفوظ رہتے تھے بلکہ وہ آپؐ کو بجائے بُرے کام کی طرف ترغیب دینے کے، حسنات کی طرف توجہ دلاتا رہتا تھا، نیز خصوصیت کے ساتھ مولیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شرافت بھی بخشی ہوئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں نیک کاموں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مددگار واقع ہوئی تھیں۔ بر خلاف بعض حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بیویوں کے کہ وہ اُن کو مولیٰ حقیقی کی مرضی کے خلاف ترغیب دیتی تھیں۔

۱۰۷۔ ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ حبیب خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بعض صحابہ کرام نے عرض کی کہ خداوندِ عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا صفی بنایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل تجویز کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو "ہم کلامی" کا شرف بخشا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "رُوح القدس" سے پیدا کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کونسا شرف عطا کیا گیا ہے؟۔ دریں اثناء حضرت جبرائیلؑ پیغام خداوندی لائے

کہ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو سنادو کہ اگر ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو خلیل مقرر فرمایا ہے تو اس کے عوض تجھ کو "حبیب" بنایا ہے، حضرت موسیٰؑ کو ہم کلامی کا شرف زمین پر دیا گیا ہے تو اس کے مقابل سدرۃ المنتہیٰ کے پاس تیرے ساتھ کئی ہزار کلام کر کے تجھ کو خاص عزت دی گئی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "روح القدس" سے پیدا کیا گیا ہے تو تمام مخلوق سے دو ہزار برس پہلے تیرے اسم کو ظاہر کیا گیا ہے اور آسمانوں میں آپؐ کو ایسی جگہوں کا سیر کرایا گیا ہے جس کو آپؐ کے سوا نہ کسی نے پہلے دیکھا ہے اور نہ آئندہ دیکھے گا۔ حضرت آدمؑ کو صفی بنایا گیا ہے تو تجھ کو مکارمِ اخلاق کا متمم و مکمل بنا کر "خاتم النبوّت" کے ساتھ بھیجا گیا ہے اور میری مخلوق میں سے کوئی ایسا نہیں جس کی عزت و شرافت ہمارے نزدیک آپ سے بڑھ کر ہو نیز آپؐ کو "حوضِ کوثر" دیا گیا، "شفاعتِ عظمیٰ" دی گئی، "لواء الحمد" بخشا گیا اور آپؐ کے اسم مبارک کو اپنے اسم کے ساتھ ملا کر زمین و آسمان میں شہرت دلائی گئی۔ مختصر یہ کہ میں نے دنیا اور اہلِ دنیا کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و کرامت سے آگاہی حاصل کرے، اگر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار مقصود نہ ہوتا تو دنیا اور اہلِ دنیا بھی پیدا نہ ہوتے۔

١٠٨۔ حدیث صحیح میں ذکر کیا گیا ہے کہ جو شخص حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے گا وہ یقیناً آپ کو ہی دیکھے گا کیونکہ شیطان کو یہ طاقت نہیں دی گئی کہ وہ حبیبِ خدا کی صورت بن کر لوگوں کو دھوکہ میں ڈالے نیز محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جس نے میری زیارت خواب میں کی، وہ عنقریب مجھے عالمِ بیداری میں بھی دیکھے گا۔ یہ خصوصیت یہ شرافت و حرمت ہمارے نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ و السلام کے سوا اور کسی کو نہیں دی گئی کہ شیطان اس کی صورت نہ بن سکے۔ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ دیکھئے کہ قیامت کے دن مولیٰ کے دربار میں دو آدمی ایسے

کھڑے کئے جائیں گے جن کا نام "محمد" ہوگا، حکم ہوگا ان کو جنت میں لیجاؤ۔ وہ دونوں عرض کریں گے ہم تو جنت کے لائق نہیں تھے۔ اور نہ ہی ہم نے کوئی ایسے نیک عمل کئے ہیں جس کے باعث ہم مستحقِ جنت ہوں، لہٰذا کس سبب سے ہم کو جنت عطا کی جا رہی ہے۔ ربِّ رحیم مولیٰ کریم فرمائیں گے کہ تم دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ میں نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ جس کا نام "محمد" اور "احمد" ہوگا اس کو میں جہنم میں داخل نہ کروں گا کیونکہ یہ دونوں نام میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے "نام" ہیں۔

١٠٩۔ آثارِ شریفہ میں لکھا ہوا ہے کہ لوحِ محفوظ میں انبیائے کرام کی امتوں کے بارے میں یہ الفاظ مکتوب ہیں:

مَنْ اَطَاعَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَ	"جس نے اطاعت کی اس کے لیے
مَنْ عَصٰى فَلَهُ النَّارُ۔	جنت ہے اور جس نے نافرمانی کی اُس
	کے لیے جہنم۔"

اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے حق میں مولیٰ کریم نے لوحِ محفوظ میں یہ حروف لکھے ہیں:

اُمَّةٌ مُّذْنِبَةٌ وَ رَبٌّ غَفُوْرٌ "امت گنہگار ہے اور رب بخشنہار"۔

اب آپ غور فرمائیں کہ مولیٰ کریم کو رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و بزرگی کس قدر ملحوظ ہے۔

١١٠۔ علامہ قاضی عیاض اندلسیؒ اپنی معرکۃ الآرا کتاب شفاء شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ محبوبِ خدا حضرت رسول اکرم و افضل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جب تمام لوگ شدتِ حساب و سختی عذاب کے باعث رحمتِ خداوندی سے ناامید ہوں گے تو ان کو خوشخبری سنانے والا صرف میں ہی ہوں گا اور خداوندِ عالم کے نزدیک جس قدر میری عزت و حرمت ہے،

بنی آدم سے اور کسی کی نہیں اور یہ میں فخراً نہیں کہتا۔ اور سب سے پہلے میں ہی جنّت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا اور میرے ساتھ فقراء مؤمنین داخل ہوں گے اور میں یہ فخراً نہیں کہتا اور قیامت کے دن تمام انبیائے کرام کی اُمتوں سے میری اُمت زیادہ ہو گی اور میں اوّلین و آخرین سے اکرم ہوں اور یہ کوئی فخر نہیں اور قیامت کے دن مجھے ہی سب انبیائے کرام سے زیادہ اجر و ثواب ملے گا اور میں یہ فخراً نہیں کہتا اور خدام اہلِ جنّت میں سے ایک ہزار خادم ایسے میری خدمت کے لیے مقرر ہوں گے جو چمک دمک میں موتیوں کی طرح صاف و شفاف ہیں۔

۱۱۱۔ ایک اور حدیث، شفاء شریف میں مذکور ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو فرمایا، کیا تم اس امر پہ راضی نہیں کہ قیامت کے دن حضرتِ ابراہیم و عیسٰی علیہما الصلوٰۃ والسلام تم میں شامل ہوں۔ پھر فرمایا کہ یہ دونوں صاحب قیامت کے دن میری امت میں ہوں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ اے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ میری ہی دعا سے جلوہ نما ہوئے تھے اور آپ میری ہی اولاد میں سے ہیں، آپ مجھے اپنی امت میں شامل کر لیجئے کیونکہ سیادت کی خلعت، ربِّ کریم نے خاص طور پہ آپ کو ہی بخشی ہوئی ہے۔

۱۱۲۔ مولیٰ کریم نے اپنے محبوب رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شبِ معراج میں جس قدر کرامات و خصوصیات عنایت فرمائی تھیں اور آپ کا اجلال و اکرام ظاہر کرنے کے لیے جس قدر شان و شوکت ظاہر کی تھی اور ملائکہ اور انبیائے کرام کے سامنے جس طریق اور جس طرز سے اپنے حبیبؐ کا علوِ مرتبہ بتایا گیا تھا، اُن سب کا شرح و بسط کے ساتھ اس چھوٹی سی کتاب میں ذکر کرنا اختصار کے منافی ہے جو کہ میری غرض ہے۔ اس لیے راقم الحروف اس تفصیل کو مختصر الفاظ میں آپ کے سامنے یوں پیش کرتا ہے۔ کہ خداوندِ عالم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں امامتِ انبیاء و ملائکہ

سے مشرف فرمایا اور سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک مکالمہ سے ممتاز کیا اور اپنا دیدار بغیر کسی حجاب کے ظاہری آنکھوں سے کرایا اور آیاتِ کبریٰ سے آگاہ فرمایا اور معارف و حقائق و علومِ ماضیہ و مستقبلہ سے واقف کرایا اور حد سے بڑھ کر اُن کو اپنے قرب کا فخر بخشا اور تمام آسمانوں اور خاص جگہوں کی سیر کرائی، مراتب و مناصبِ جلیلہ کی خلعت عنایت فرمائی ملائکہ اور حضراتِ انبیائے عظام کو آپؐ کی عزت و شرافت دکھائی۔ آپؐ کی علوِ ہمتی اور قدر و منزلت کے جوہر دکھلائے۔ آپؐ کی شان و شوکت اور خیر مقدم کے آثار ظاہر کئے۔

الغرض جس قدر فضائل و کمالات اور خصائص و کرامات، حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں عطا کئے گئے تھے اور کسی نبی و رسول کو نہیں دیے گئے۔ اگر آپ قدرے ان فضائل و کمالات کی تفصیل سے واقف ہونا چاہیں تو تکلیف فرما کر مواہبِ لدنیہ خصائص کبریٰ اور شفاء شریف قاضی عیاض کا مطالعہ فرمائیں۔

۱۱۳۔ علامہ سمنطاری محدثؒ نے لکھا ہے کہ میں نے ایک دفعہ شہرِ خراسان میں ایک بچہ کو دیکھا کہ اس کے ایک پہلو پہ" لاالٰہ الا اللہ " اور دوسرے پہ" محمد رسول اللہ " قدرتی طور پہ لکھا ہوا تھا۔ علامہ ابن القیم نے اپنی تاریخ میں اسناد کے ساتھ لکھا ہے کہ علی بن عبد اللہ ہاشمی نے کہا کہ میں نے ہند میں ایک پھول دیکھا جس کی خوشبو نہایت عمدہ اور اس کی رنگت سیاہ تھی اور اس پہ قدرت کی طرف سے سفید حروف میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَبُوْبَکْرٍ صِدِّیْقٌ عُمَرُ فَارُوْقٌ ۔ دیکھ کر مجھے شک پیدا ہوا اور میرا خیال اس طرف گیا کہ یہ مصنوعی ہے اور اس میں انسانی کارروائی کا دخل ہے۔ پھر میں نے اسی درخت سے ایک ایسا پھول توڑا جو کہ ابھی شگفتہ نہیں ہوا تھا۔ جب اس کو کھول کر دیکھا گیا تو اس میں بھی سابقہ عبارت صحیح الفاظ کے ساتھ مندرج تھی۔ پھر مجھے یقین ہوا کہ مولیٰ کریم نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و حرمت کے کرشمے ظاہر کئے

ہوئے ہیں۔ اس میں تصنع اور بناوٹِ انسانی کو کوئی دخل نہیں ہے۔

شیخ عبداللہ بن اسعد یافعی نے اپنی کتاب "روض الریاحین" میں ایک بزرگ سے نقل کیا ہے کہ اس نے ہندی شہروں میں ایک درخت دیکھا جس کا پھل بادام کی مثل تھا۔ پھل کو جب توڑا جاتا تو اس میں سے ایک سبز رنگ کا پتہ نکلتا تھا جس پر قدرت نے سُرخ جلی حروف میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ لکھا ہوا تھا۔

جب یہ واقعہ ابو یعقوب صیادؒ نے سُنا تو فرمایا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ میں نے ایک مچھلی کا شکار کیا تھا جس کے ایک پہلو پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ لکھا ہوا تھا۔ میں نے ان حروف کے احترام سے مچھلی کو دریا میں چھوڑ دیا۔

راقم الحروف بھی جب دہلی میں حضرت استاذی مولانا مولوی مشتاق احمد انبیٹھوی ادام اللہ فیوضہم کے پاس نسائی شریف پڑھتا تھا تو اُس وقت مولوی صاحب نے ایک دن مجھے فرمایا کہ جب میں لدھیانہ میں مدرس تھا تو وہاں ایک کھجور کا درخت نظر آیا جس کی تمام ٹہنیاں قدرت نے لفظ "محمد" کی شکل میں بنائی ہوئی تھیں۔ لوگوں نے جب دیکھا تو کھجور پر ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ مجھے بھی وہاں سے تبرک ملا ہوا ہے۔ ہم تم کو زیارت کراتے ہیں۔ مولوی صاحب نے ایک خوشنما چوکھٹہ نکالا جس کے اوپر شیشہ لگا ہوا تھا اور اس کے اندر کھجور کی ٹہنی جو قدرت نے اس طرز پر خمدار بنائی ہوئی تھی کہ صاف طور لفظ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" نظر آتا تھا اور یقینی طور پر واضح ہوتا تھا کہ اس کو صانع حقیقی نے اپنی قدرتِ کاملہ دکھانے کے لیے بنایا ہے نہ کہ کسی انسان نے۔

حضرت استاذی مولانا صاحب بفضلِ خدا اب بھی دہلی میں موجود ہیں، اُن کے پاس جا کر تصدیق کی جاسکتی ہے۔[1]

---

[1] مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی کی وفات ۱۹۴۱ء میں ہو چکی ہے۔ (قصوری)

حضرات! یہ ہے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور یہ ہے پیارے نبی رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت اور یہ ہے افضل الرسل علیہ السلام کی جلوہ نمائی اور یہ ہے سید الانس والجان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و منزلت! صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

نمبر ۱۱۴۔ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا، اگر اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں اور تم مجھے چھوڑ کر اُن کی اتباع میں مصروف ہو جاؤ تو بھلا تمہاری گمراہی میں کس کو شک ہو سکتا ہے؟

دیکھئے شانِ حبیبؐ، باوجودیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اولوالعزم نبی ہیں لیکن حبیبؐ کی موجودگی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف التفات کرنا ضلالت و گمراہی قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ متبوع الانبیاء مقتداء الاصفیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہوتے ہوئے تابع کی اتباع کون کرتا ہے۔ جبکہ یہ صریح اور عقلی فیصلہ ہے کہ اعلیٰ اکرم کی موجودگی میں ادنیٰ کو متبوع قرار دینا سفاہت اور بعید از عقل ہے تو اسی بنا پر آپؐ نے فرمایا کہ میری موجودگی میں غیر کی اتباع سے نتیجہ سوائے خسران اور ضلالت کے کچھ نہیں ہوگا۔

۱۱۵۔ سید الکونین باعثِ ایجاد عالم حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی افضلیت کو ان معانی میں بھی بیان فرمایا ہے کہ میرے منبر اور میری قبر کے درمیان جتنی جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

حضرات! یہ فخر اور یہ عنایت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نبی و رسول کو نہیں دی گئی کہ جنت اس کے عبادت کرنے اور بیٹھنے کے لیے دنیا میں ہی مقرر ہو، ہم فضائل و کمالات کے اعتبار سے حضرت محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا چند حضرات انبیائے عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ موازنہ و مقابلہ کرتے ہیں تاکہ یہ بات

اچھی طرح آپ کے ذہن نشین ہو جائے کہ حبیب کی شان اور ہے اور باقی حضراتِ انبیاءِ کرام کی اور!

قَالَ الْعُلَمَاءُ مَا اُوْتِیَ نَبِیٌّ مُعْجِزَةً وَلَا فَضِیْلَةً اِلَّا وَلِنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَظِیْرُهَا اَوْ اَعْظَمُ مِنْهَا۔

"علماء نے فرمایا ہے کہ خداوند عالم نے حضرات انبیائے کرام کو جو معجزات اور فضائل دیئے تھے، ان کی نظیر یا اس سے بڑھ کر اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فضائل و معجزات سے موصوف بنایا ہوا تھا۔

کتبِ عقائد میں یہ تسلیم شدہ مسئلہ ہے کہ نبی و رسول سے جو کام خرقِ عادت ظاہر ہو، اُس کا نام معجزہ ہے اور جو کام خرقِ عادات اُمتی کے ہاتھ پر صادر ہو، اُس کا نام کرامت ہے لیکن حقیقت میں وہ بھی اُس نبی کا معجزہ ہوتا ہے جس کے اُمتی سے خرقِ عادت ظاہر ہوا ہو کیونکہ اُمتی کو یہ مرتبہ نصیب نہیں ہو سکتا جب تک اپنی نبی کی صدقِ دل سے اتباع کا خوگر نہ ہو۔ بہر حال اُمتی کو جو کچھ میسر ہوگا وہ نبی کی طفیل اور جو کچھ اس سے فضائل و کرامات ظاہر ہوں گے، رسول کے ذریعہ سے ہوں گے۔

اس قانون سے واضح ہو گیا کہ جتنی کرامات و خرقِ عادات حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں سے ظاہر ہوئی ہیں یا قیامت تک ہوں گی وہ حقیقت میں حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہیں۔ اس قانون کو مدِ نظر رکھ کر ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس قدر فضائل و معجزات انبیائے سابقین میں موجود تھے وہ یقیناً ہمارے نبی حبیبِ خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔ اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو کئی دفتر بھی ناکافی ہوں گے نیز اس کا بیان کرنا اور لکھنا بھی آسان کام نہیں کیونکہ پہلے تو ہمیں شریعت نے تفصیل کے ساتھ انبیائے کرام کا فرداً فرداً پتہ نہیں دیا اور نہ ہی پھر اُن کے کمالات و معجزات کو بیان کیا گیا ہے۔

اب ہم اگر تمام حضرات کے فضائل و مناصب میں حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ اور موازنہ آپ کے سامنے پیش کریں تو کس طرح؟ اس لیے مجبوراً و معذوراً چند حضرات کا موازنہ پیش کیا جاتا ہے جن کی فضیلت و بزرگی کو جابجا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے اور جن کے جامع کمالات و فضائل حاویٔ حسنات ہونے کا سب لوگ اقرار کرتے ہیں تاکہ اچھی طرح روشن ہو جائے کہ مقابلہ اعلیٰ کا اعلیٰ کے ساتھ ہے نہ کہ اعلیٰ کا ادنیٰ کے ساتھ، نیز جب حبیبِ خدا فضائل و معجزات میں ان حضرات عالی مقام سے اشرف و اعلیٰ ثابت ہوں گے جن کی بزرگی و شرافت کا سارا جہاں قائل نظر آتا ہے تو پھر ہم یقیناً اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ ہمارے حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام باقی حضرات سے بھی جن کا ذکر قرآن پاک میں نہیں آیا، افضل و اعلیٰ ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اگر تمام اشیاء کا علم دیا گیا تھا تو اس کے مقابلہ میں ہمارے نبی حضرت حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تمام اشیاء کا علم دیا گیا ہے جیسا کہ طبرانی میں اُوْتِیَ نَبِیُّکُمْ عِلْمَ کُلِّ شَیْءٍ (تمہارے نبی مکرم کو ہر شے کا علم دیا گیا) وارد ہے اور مسند الفردوس میں دیلمی نے وَعُلِّمْتُ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا کَمَا عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا (مجھے تمام اسماء کا علم دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت آدمؑ کو تمام اسماء کا علم دیا گیا) نکالا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اگر کلام کا شرف بخشا گیا تھا تو حضرت رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شبِ معراج میں سدرۃ المنتہیٰ پر کلام کرنے کی عزت بخشی گئی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اگر ملائکہ نے سجدہ کیا تھا تو حضرت رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ذاتِ باری بمع جمیع ملائکہ ہمیشہ درود شریف بھیجتے رہتے ہیں۔

ذرا غور فرمائیں کہ مسجود ہونے کی فضیلت زیادہ ہے یا ذاتِ باری کا بمع ملائکہ ہمیشہ صلوٰۃ پڑھتے رہنا افضل و اعلیٰ ہے۔ دیکھئے! حضرت آدم علیہ السلام کو محض ملائکہ نے بحکم خداوندی تھوڑی دیر کے لیے سجدہ کیا تھا اور حقیقت میں سوچو تو وہ بھی اس لیے تھا کہ حضرت

آدم علیہ السلام کی جبینِ مبارک میں محبوبِ خدا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تھا۔ تو گویا وہ سجدہ بھی فخرِ عالم سیّد الموجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہی ہوا تھا نہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اور اگر بالفرض تسلیم بھی کیا جائے کہ مسجود الیہ حضرت آدم علیہ السلام ہی تھے تو پھر ہم موازنہ کریں گے کہ وہاں صرف تھوڑی دیر کے لیے جماعتِ ملائکہ ساجدہ تھی اور یہاں معبودِ حقیقی خود مع جماعتِ ملائکہ درود شریف ہمیشہ ادا کر رہا ہے۔ اور پھر ساتھ ہی جمیع مومنین کو قیامت تک حکم ہو رہا ہے کہ پیارے پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے رہا کرو۔ خداوندِ عالم کی ذاتِ ازلی ابدی جس کو کبھی فنا نہیں، جب وہ ہمیشہ سے اپنے حبیبؐ کی عزت افزائی کے لیے درود شریف پڑھتا ہے تو بھلا اس کا مقابلہ میں ایک سجدہ کی کیا حقیقت ہے، جو کہ صرف تھوڑی دیر کے لیے تھا۔

خیال فرمائیے کہ مولیٰ کریم نے جتنی عبادات ہم پر مقرر کی ہیں اُن میں یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ میں یہ فعل کرتا ہوں، تم بھی سب کیا کرو لیکن صرف درود شریف ہی ایسا فعل ہے جس کے متعلق ربِ رحیم فرماتے ہیں کہ میں اس کو ہمیشہ ادا کرتا رہتا ہوں۔ اے مومنین! تم بھی ادا کیا کرو۔ سجدہ کرانے کی عزت فوری تھی اور صلوٰۃ وسلام کی شرافت ابدالآباد تک ہے کیونکہ اس کے قاری ہمیشہ موجود ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے وہ فناہ بھی ہو جائیں تو ایک ذات اُن میں ایسی ہے کہ فنا جس کے نزدیک بھی نہیں آتی۔

الغرض یہ شرافت و عزت ازل سے ابد تک اسی طرح باقی رہے گی جس طرح ربِ حقیقی خالقِ دوجہاں کی ذات باقی ہے۔ بالاتفاق علمائے محققین و فضلائے راسخین آیۂ شریفہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ، حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظمت و شرافت کی خبر دے رہی ہے جس کے مقابلہ میں دیگر انبیائے کرام کی کوئی فضیلت کوئی شرافت ٹھہر نہیں سکتی۔ کیونکہ جس قدر کمالات و مراتب حضرات انبیائے عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بارگاہِ ایزدی سے میسّر ہوئے وہ سب فانی اور منقطع ہو گئے۔ لیکن ہمارے

حضرت رحیم و کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے رحیم و کریم نے یہ ایک ایسی نعمتِ ازلی و ابدی و عزتِ سرمدی عنایت فرمائی ہے کہ جس کی ابتداء و انتہا ہے ہی نہیں اور نہ ہی اس کو فنا و زوال ہے۔ ہم اس فضیلتِ مختصر سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام فضائل و کمالاتِ انبیاء پر ترجیح دے کر اعلیٰ قرار دیں تو یقیناً حق بجانب ہوں گے۔

خصائص کبریٰ میں مرقوم ہے کہ صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ اس امتِ مرحومہ کے لیے خاص ہے اور کسی نبی کی امت کو یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اپنے نبی پر شب و روز صلوٰۃ وسلام پڑھا کریں۔ حضرت آدم علیہ السلام اگر سب سے پہلے خلعتِ نبوت سے موصوف تھے تو ہمارے حضرت اِن سے بھی پہلے مطابق حدیث شریف کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ (میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدمؑ پانی اور مٹی میں تھے[1]) اس اعلیٰ عہدے پر ممتاز تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی شان میں اگر وَرَفَعْنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا (اور ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھا لیا۔ سورۂ مریم: ۵۷) وارد ہے تو ہمارے نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ربِ کریم نے قابَ قوسین تک عزت افزائی بخش کر سب پر مرفوع ثابت کیا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام آدمِ ثانی نے اگر اپنی قوم سے تکلیفیں اٹھا کر اس کے قلع قمع کے لیے بددعا کی تھی تو ہمارے حضرت افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود یکہ اپنی قوم سے تکالیفِ شاقہ اٹھائی تھیں، اپنی قوم کے حق میں اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (اے اللہ میری قوم کو ہدایت فرما کیونکہ وہ سمجھ جانتے نہیں ہیں) کہہ کر مولیٰ کریم سے اُن کے لیے ہدایت طلب کی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا اگر قوم کو ہلاک کرنے کے لیے مستجاب ہوئی تو حبیبِ خدا سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں بھی جن کا اثر

---

[1] یعنی ابھی حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔ (رضوی)

آنًا فانًا ظاہر ہوا تھا۔ کُتبِ حدیث میں احاطۂ تحریر سے بالاتر ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے میں، بوقتِ قحط بارش کے اترنے میں، ان لوگوں کی ہلاکت کے بارے میں جنہوں نے حالتِ نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اونٹ کی اوجھ رکھی تھی، وغیرہ وغیرہ۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اگر ساڑھے نو سو سال وعظ و تبلیغ کر کے سو سے کم آدمیوں کو راہِ ہدایت پر پہنچایا تھا تو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیئس سال کے قلیل عرصے میں لاکھوں کو دوزخ کے گڑھے سے نکال کر جنت الفردوس میں پہنچا کر اپنی اعلیٰ فضیلت و عظمت کا ثبوت دیا ہے۔ آدم ثانیؑ کے بوقتِ طوفان اگر کشتی میں تمام حیوانات مسخر تھے تو رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی تمام حیوانات، اونٹ، شیر، گوہ، گھوڑے، خچر وغیرہ بلکہ جمادات، شجر و حجر بھی منقاد و مطیع تھے۔ اس کی تفصیل خصائصِ کبریٰ وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اگر زمین کی طرف حمّیٰ یعنی بخار کے نازل ہونے کا سبب تھے تو ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے جحفہ کی طرف بخار کو خارج ہونے کرنے والے تھے۔

حضرت ہود علیہ السلام کے لیے اگر ہوا کو اپنی قوم پر نُصرت و کامیابی کا ذریعہ بنایا گیا تھا تو غزوۂ خندق و بدر میں ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوا نے کفار پر غلبہ و کامیابی کا کام دیا تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی طرف بنظرِ غور دیکھیں کہ وہ باوجود معجزہ ہونے کے حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ کسی قسم کی گفتگو نہیں کرتی تھی اور نہ ہی اُن کی نبوت پر شہادت دیتی تھی۔ اِدھر حبیبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھئے کہ اونٹ بھی اپنی فریاد کا ٹھکانہ سوائے دربارِ نبویؐ کے کہیں نہیں دیکھتا اور

گلا پھاڑ پھاڑ کر فریاد کرتا ہے کہ میرا مالک مجھے ذبح کرنا چاہتا ہے اور جس قدر مجھ سے کام لیتا ہے اس قدر گھاس نہیں دیتا، آپ میری آہ و زاری کو سنیں اور میرے مالک کو بلا کر فیصلہ کریں۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے آقا کو ہدایت کی کہ اس کو اچھی طرح چارہ دے کر کام لیا کرو اور ذبح مت کرو۔

حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے اگر سورج کو روکا گیا تھا تو یہاں بھی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز عصر فوت ہو جانے سے سورج واپس پلٹ آیا تھا۔ فرق ملاحظہ ہو۔

حضرتِ حبیبؐ اور خلیلؑ کا موازنہ

حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بالواسطہ خدا کے حضور میں پہنچے ہیں۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور اسی طرح ہم دکھاتے ہیں ابراہیم کو ساری سلطنت آسمانوں اور زمین کی۔ پارہ ۷ سورہ الانعام: ۷۵) اور حضرت حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بلاواسطہ دیدار سے مشرف ہوتے ہیں۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (پس اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ پارہ ۲۷ سورۃ النجم: ۹۔) ـــــ خلیل علیہ السلام کی مغفرت حدِ طمع تک ہے، وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓــَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ (اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری لغزشیں قیامت کے دن بخشے گا۔ (پارہ ۱۹ سورۃ الشعراء: ۸۲) اور حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوپر لگائے الزامات کی معافی درجۂ یقین تک ہے: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (تاکہ معاف کرے اللہ تیرے اوپر سب الزامات (ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد جو تجھ پر کافروں نے لگائے تھے) اگلے اور پچھلے۔ پارہ ۲۶ سورۃ الفتح: ۲) ـــــ حضرت خلیل علیہ السلام دعا مانگتے ہیں، وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ (اور مجھے

رُسوا نہ کرنا جس دن سب لوگ اٹھائے جائیں گے۔ پارہ ۱۹ سورۃ الشعراء : ۸۷) لیکن حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بغیر از سوال مولیٰ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں : یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مَعَہٗ (جس دن خدا رُسوا نہ کرے گا نبی اور اس کے ساتھ والے مسلمانوں کو۔ (پارہ ۲۸ سورہ التحریم : ۸)

خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محنت و تکلیف کے وقت کہا :

حَسْبِیَ اللّٰہُ۔ "کافی ہے مجھ کو اللہ تعالیٰ۔"

اور حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خود خداوندِ عالم فرماتے ہیں :

یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ۔ "اے نبی! تجھ کو اللہ کافی ہے۔"

(پارہ ۱۰ سورہ الانفال : ۶۴)

خلیل علیہ السلام خود سوال کرتے ہیں :

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ "اور میری سچی ناموری رکھ پچھلوں میں۔"

(پارہ ۱۹ سورۃ الشعراء آیت ۸۴)

حبیب علیہ السلام کو ارشاد ہوتا ہے

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ "اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔"

(پارہ ۳۰، الانشراح : ۴)

خلیل علیہ السلام دعا مانگتے ہیں :

وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ "اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔"

(پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم آیت : ۳۵)

حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اہلِ بیت حبیب کے حق میں یوں ارشاد

ہوتا ہے :

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ "اللہ تو یہی چاہتا ہے، اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمائے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔"

(پارہ ۲۲ سورہ الاحزاب آیت : ۳۳)

خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تمنائے وصال نقل کی :

اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ۔ "میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں۔ اب وہ مجھے راہ دے گا۔"

(پارہ ۲۳ سورہ الصف آیت : ۹۹)

حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بُلا کر عطائے دولت کی خبر دی :

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ "پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔"

(پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت : ۱)

عیسیٰ علیہ السلام سے آرزوئے ہدایت نقل کی :۔

سَیَھْدِیْنِ۔ "اب وہ مجھے راہ دے گا۔"

حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے خود ارشاد ہوا۔

وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا "اور تمہیں سیدھی راہ دکھا دے۔"

(پارہ ۲۶ سورۃ الفتح آیت : ۲)

خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے آیا ہے کہ فرشتے اُن کے معزز مہمان ہوئے :

ھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرَاھِیْمَ الْمُکْرَمِیْنَ۔ "اے محبوب! کیا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی۔"

(پارہ ۲۶ سورہ الذاریات : ۲۴)

جبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے فرمایا کہ فرشتے اُن کے لشکری اور سپاہی بنے:

وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا
(پارہ ۱۰ سورہ التوبہ آیت ۴۰)

"اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں۔"

یُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِیْنَ
(پارہ ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۲۴)

"تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتے اتار کر۔"

خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا کہ انہوں نے اپنی امت کے لیے دعائے مغفرت کی:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ
(پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم آیت: ۴۱)

"اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔"

جبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خود حکم دیا کہ اپنی امت کے لیے مغفرت مانگو:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔
(پارہ ۲۶ سورہ محمد آیت: ۱۹)

"اور (اے محبوب) اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔"

خلیل علیہ السلام سے نقل فرمایا:

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ
(پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم: ۴۰)

اے میرے رب! میری دعا قبول فرما۔"

جبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروکاروں کو ارشاد ہوا:

قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (پارہ ۲۴ سورہ المؤمن آیت: ۶۰)

"تمہارا رب فرماتا ہے، مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔"

خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول و فعل کی اتباع کا ہم کو حکم نہیں دیا بلکہ بعض کو مستثنیٰ کیا گیا ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ
(پارہ ۲۸ سورہ الممتحنہ: ۴)

"بے شک تمہارے لیے اچھی پیروی تھی ابراہیم اور اس کے ساتھ والوں میں جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا۔ بے شک ہم بیزار ہیں تم سے اور ان سے جنہیں اللہ کے سوا پوجتے ہو، ہم تمہارے منکر ہوئے اور ہم میں اور تم میں دشمنی اور عداوت ظاہر ہو گئی ہمیشہ کے لیے جب تک تم ایک اللہ پہ ایمان نہ لاؤ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے کہنا کہ میں ضرور تیری مغفرت چاہوں گا۔

جبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر قول و فعل کی تابعداری کرنے کا ہم کو بغیر کسی استثناء کے حکم دیا گیا ہے:

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ
(پارہ ۲۸ سورہ الحشر: ۷)

"اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں، باز رہو۔"

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (پارہ ۵ سورہ النساء: ۸۰)

"جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔"

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ

"بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی

اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (پارہ ۲۱ سورۃ الاحزاب: ۲۱) بہتر ہے۔

یہ سب آیات اسی امر کی مثبت و مظہر ہیں کہ خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اگر خلت کا مرتبہ دیا گیا ہے تو حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مطابق حدیث ابنِ ماجہ و ابو نعیم "محبت و خلت دونوں سے موصوف فرمایا گیا ہے۔ خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اگر دلائلِ توحید پیش کر کے نمرود کافر کو مبہوت کیا تھا تو حبیب علیہ الصلوٰۃ نے بھی کافر ابی ابن خلف، جبکہ وہ ہاتھ میں ایک پرانی ہڈی لے کر آپ سے مجادلہ کرتا تھا کہ اس ہڈی کو کون زندہ کریگا، دلیل روشن:

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ "تم فرماؤ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا"۔

(پارہ ۲۳، یٰس آیت ۷۹)

بیان فرما کر حیران و ششدر کر دیا تھا۔

خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اگر بتوں کو توڑ ڈالا تھا تو حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی تین سو ساٹھ (۳۶۰) بتوں کو جو کہ خانہ کعبہ کے گرد اور اندر معبود بن رہے تھے، انگلی کے اشارے سے گرا دیا تھا۔

ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم مبارک کو اگر آتشِ نمرود نے نہ جلایا تو اتنا تعجب انگیز نہیں جتنا اس دسترخوان کا آگ میں نہ جلنا ہے جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بطور تبرکِ نبوی تھا اور وہ ایک بار نہیں، بارہا میلا اور چکنا ہونے پر آگ میں ڈال دیا گیا، اور جب میل اور چکناہٹ جل گئی تو دسترخوان نکال لیا گیا۔

غور فرمائیے کہ ایک تو آدمی کا نہ جلنا اتنا موجبِ تعجب نہیں جتنا کہ کپڑے کے دسترخوان کا بار بار آگ میں ڈالا جانا اور نہ جلنا اور وہ بھی ایسا، جس پر چکناہٹ بھی ہوتی ہے۔ دوسرے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دسترخوان میں زمین و

آسمان کا فرق۔ وہ خود نبی، نبی بھی کیسے، خلیل اللہ اور وہاں دسترخوان میں فقط اتنی بات کہ گاہ بگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا گیا ہو اور اس پہ آپ نے کھانا کھایا ہو اور اس کے ساتھ ہاتھ صاف کئے ہوں۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ حبیب اور خلیل میں کس قدر فرق ہے اور ان کے فضائل و مراتب میں کس قدر تفاوت ہے نیز محبوبِ خدا سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابی مسلم خولانی تابعی آگ میں داخل ہو کر اسی طرح صحیح و سالم رہے تھے جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام آگ سے محفوظ رہے تھے۔ وہ امتی ہیں اور یہ خلیل اللہ ہیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اگر ذبح پر صابر تھے تو ان کے سچے جانشین فرزندِ حقیقی و معنوی حضرت رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کئی دفعہ سینۂ مبارک شق ہوا تھا حالانکہ یہ حقیقتاً ہوا تھا اور وہ ذبح وقوع میں نہ آیا تھا کیونکہ جنتی دُنبہ ان کی جگہ قربان ہوا تھا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اگر آبِ زمزم کا چشمہ عطا ہوا تھا جس کا زمین سے نکلنا کوئی قابلِ تعجب نہیں کیونکہ چشمے زمین سے نکلتے ہی رہتے ہیں لیکن ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی فوارہ کی طرح نکلا تھا جو کہ مرتبہ میں آبِ زمزم سے بھی بڑھا ہوا تھا اور ہزاروں افراد کو سیراب کر کے بچ رہا تھا۔ اب دیکھئے، محلِ تعجب یہ ہے کہ گوشت و پوست کی انگلیوں سے فوارہ کی طرح پانی جاری ہو کر ہزاروں کو سیراب کر کے بچ رہے کجا زمین سے چشمہ نکلے اور بس۔

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لختِ جگر حضرت یوسف علیہ السلام کے غائب ہونے کے وقت اگر بھیڑیئے سے:۔

اَكَلْتَ قُرَّةَ عَيْنِيْ وَ ثَمَرَةَ فُؤَادِيْ "تو نے میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور میرے دل کے ثمرہ (پھل)، کو کھایا؛

کہہ کر کلام کی تھی تو حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کئی دفعہ بھیڑیے نے حاضر

ہو کر مطابق حدیثِ بیہقی و تاریخ بخاری و دارمی وغیرہ اپنی غذا کے متعلق سوال کیا تھا اور کئی دفعہ جنگل میں چرواہوں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر کے منکرینِ نبوت کی حالت پر تعجب ظاہر کیا تھا اور ایک دفعہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شیر نے کلام کر کے اس کو لشکر کا راستہ بتایا تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اگر اپنے پیارے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں مبتلا ہو کر صابر بن چکے تھے تو ہمارے رسولِ اکرم و افضل علیہ الصلوٰۃ و السلام بھی اپنے ایک فرزند کو مولیٰ حقیقی کے حوالہ کر کے صبر کی خلعتِ فاخرہ سے مزین ہو چکے ہیں۔

قارئین کرام! آپ اس صبر اور اس صبر کا فرق ملاحظہ کریں کہ وہاں باوجود اور فرزند ہونے کے آثار تھے اور یہاں ایک ہی فرزند کے فوت ہو جانے پر سوائے صبر و شکر کے اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو اگر حسن کا کچھ حصہ عطا ہوا تھا تو ہمارے حضرت حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل طور پر حسن ملا ہوا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر اگر مصر کی عورتیں عاشق تھیں تو ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ کامل پر صحابہ کرام نے اپنی جانیں قربان کر دی تھیں اور اپنے وطن و اقارب کو خیرباد کہہ کر مثلِ پروانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جلتے نظر آتے تھے ؎

حسنِ یوسف پہ کٹیں انگشتِ زنانِ مصر
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

مختلف صحابہ کرام سے حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کی تعریف دریافت کی گئی تو ہر ایک نے اپنی فہم و عقل کے مطابق جواب دیا۔ کسی نے کہا — آپ سورج

سے زیادہ روشن ہیں، کسی نے کہا آپ کا چہرۂ مبارک چاند کی طرح خوبصورت اور حسن و جمال میں بے نظیر ہے۔ کسی نے کہا کہ آپ دونوں سے زیادہ منور ہیں۔ اور دل یہی چاہتا تھا کہ ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھتے رہیں اور ایک پل بھی وہاں سے جدا ہو کر پیاری صورت جانِ جہان کی زیارت سے غافل نہ ہوں۔

غرض عالمِ ایجاد میں اب تک حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسنِ ظاہری و باطنی میں اب تک نہ کوئی آیا اور نہ آئے گا۔ اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کو کما حقہ بیان کرنے والا پیدا ہوا اور نہ ہوگا ؎

لَا یُدْرِکُ الْوَاصِفُ الْمُطْرِیْ خَصَائِصَہٗ
وَاِنْ یَّکُ سَابِقًا فِیْ کُلِّ مَا وَصَفَا

(اس کے خصائص کو نہیں پا سکتا اگرچہ وہ سابق ہے ہر اس چیز میں جس کی اس نے وصف کی۔)

حضرت یوسف علیہ السلام اگر اپنے والدین سے علیحدہ ہو کر دارِ غربت میں مبتلا ہوئے تھے تو ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اقارب واحبہ و وطن سے جدا ہو کر مہاجر کے لقب سے موصوف ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اگر تعبیرِ رؤیا کا علم دیا گیا تھا تو حبیبِ خدا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام اور آپ کے لاکھوں غلام بھی صحیح تعبیریں بتا کر علمِ رؤیا کے ماہر ہو چکے ہوئے ہیں اور قیامت تک علمِ رؤیا سے واقفیت رکھنے والے حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام موجود رہیں گے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو ارشاد ہوا:

لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (پارہ ۲۳ ص آیت: ۲۶) "اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکائے گی۔"

حضرتِ رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں قسم کے ساتھ فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ	"وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں
اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى (پارہ ۲۷، سورۃ النجم: ۳،۴)	کرتے۔ وہ تو کچھ نہیں کرتے مگر وحی جو
	انہیں کی جاتی ہے۔"

حضرت داؤد علیہ السلام کا موازنہ باعتبارِ معجزات مثلاً جانوروں اور پہاڑوں کا آپ کے ساتھ ہو کر تسبیح کرنا اور لوہے کا آپ کے ہاتھ پہ نرم ہو کر ذرعہ کی شکل بننا، حبیبِ خدا رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کیا جائے تو پھر بھی ہمارے ہی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل و اعلیٰ ثابت ہوں گے کیونکہ وہاں اگر پہاڑ ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے تو یہاں حضرتِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کے ساتھ کنکریاں تسبیح و ذکر میں مشغول تھیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جلوت میں موجود تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما یکے بعد دیگرے بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک سے حاضری کا مقصد پوچھا؟ ہر ایک نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے واسطے آئے ہیں۔ پھر حبیبِ خدا سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے سات کنکریاں ہاتھ میں پکڑیں تو ان کے تسبیح کرنے کی آواز ہم سب حاضرین نے سنی، پھر آپ نے وہ کنکریاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیں، وہ پھر پیاری پیاری آواز کے ساتھ اپنے خالق و مولا کی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ صدیقِ امت رض نے ان کنکریوں کو فاروقِ امت رض کے حوالہ کیا تو پھر بھی وہ اسی طرح ورد کر رہی تھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں پہنچیں تو پھر بھی وہ اسی شغل میں رہیں جس میں پہلے تھیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے اگر جانور منقاد تھے تو حبیبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے مطیع و فرمانبردار شیر، بھیڑیئے، اونٹ، گھوڑے وغیرہ تھے۔ سرکش اونٹ آپ کا مطیع ہوا، بھیڑیئے نے آپ کی رسالت و نبوت کی تصدیق کی۔ شیر نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام سفینہ رض کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے اس کو لشکرِ اسلامی کا راستہ بتایا تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پہ اگر لوہا نرم ہو کر ذرعہ کا کام دیتا تھا تو حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں تلے پتھر موم کی طرح نرم ہو جاتے تھے اور آپ کا نقشِ قدم بباعثِ محبت اپنے میں جما کر محبوب کو یاد کرتے رہتے تھے اور آپ جدھر تشریف لے جاتے تھے، شجر و حجر "السلام علیک یا رسول اللہ!" سے آپ کو پکارتے تھے، آواز دیتے تھے۔

غور فرمائیے! لوہا تو آگ میں پگھل کر مثلِ پانی ہو جاتا ہے لیکن آج تک یہ کہیں نہیں دیکھا گیا کہ پتھر پگھل کر پانی کی مثل ہو گیا ہو۔ اور سنیئے! خداوندِ عالم نے جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر لوہے کو نرم کر دیا ہوا تھا، اسی طرح اس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے غلام و تابعدار شیخ علی العمری شامی رح کو یہ فضیلت بخشی ہوئی تھی کہ لوہا ان کے ہاتھ میں مثلِ موم ہو جاتا تھا۔ جو معجزہ حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا کیا تھا، اسی طرح کی کرامت سچی اتباع کے باعث حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں سے صادر ہو رہی ہے۔ حبیب اللہ اور خلیفۃ اللہ میں فرق ملاحظہ فرمائیں تاکہ واضح ہو جائے کہ سید المرسلین افضل النبیین رحمۃ للعالمین کون ہیں۔ اور حقیقت میں ان الفاظ کا معنون کون ہے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اگر رسالت کے علاوہ ظاہری بادشاہت بھی عطا کی گئی تھی تو ہمارے حضرت رسولِ اکرم و افضل علیہ الصلوٰۃ والسلام پہ روئے زمین کے خزانے اور تمام ممالک کی بادشاہت پیش کی گئی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بمشورہ حضرتِ جبریل علیہ السلام ان سب سے انکار فرما کر قوت لایموت کو ترجیح دی اور فرمایا، میں چاہتا ہوں کہ دنیا میں چند روزہ زندگی اس طرح بسر کروں جس طرح ایک مسافر راہ گزر کسی

درخت کے سایہ تلے تھوڑی دیر آرام کرکے اپنی منزلِ مقصود پہ پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت رسولِ مقبول صادق و مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرے مولیٰ رب العالمین نے مکہ شریف کے پہاڑوں کو سونا چاندی بنا کر میرے سامنے پیش کیا، میں نے عرض کی کہ اے میرے مولیٰ! میں اپنی زندگی اس طرح بسر کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ایک دن پیٹ بھر کر کھانا کھاؤں تو تین دن بھوکا رہ کر تیری یاد میں مست رہوں اور جب میں کھانا کھاؤں تو تیری حمد و ثنا میں مشغول رہوں۔

جیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنی پیاری بیوی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا، اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ سیر کرتے پھرتے کیونکہ ایک دن خداوندِ عالم کی طرف سے ایک فرشتہ پیغام لے کر آیا تھا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو ہم تم کو رسالت اور بادشاہت عنایت کرتے ہیں۔ اگر تمنا ہو تو رسالت اور عبدیتِ خاصہ سے مشرف فرماتے ہیں لیکن میں نے بشورہ جبریل علیہ السلام دوسری شق کو ترجیح دی۔

راقم کا خیال ہے کہ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنتِ ظاہری ملی ہوئی تھی، اسی طرح ہمارے سردار سید الاولین والآخرین کو بھی عطا ہوئی تھی کیونکہ آپ کے غلام ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک برابر ایسی سلطنت کرتے چلے آئے ہیں جس کی نظیر مشکل ہے اور اس رُعب و دبدبہ کے ساتھ سلطنتِ اسلامی کا دَور رہا ہے جس کی دھوم کرۂ ارض پر اپنی مثیل نہیں رکھتی۔ مفصل حالات سلطنتِ اسلامی کتب مطولہ میں نظر آتے ہیں۔ شوق ہو تو آپ بھی مطالعہ فرمائیں اور علم حاصل کریں۔ کہ کس شان و شوکت سے اسلامی سلطنت گزری ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اگر ہوا، دن رات میں دو ماہ کی مسافت پر اڑا کر

شہروں کی سیر کراتی تھی تو ہمارے حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو مولیٰ حقیقی نے شبِ معراج میں وہ معجزہ عنایت کیا تھا جو عقل و فکر سے باہر ہے۔ جیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت تھوڑی دیر میں بیت المقدس کا سیر کرکے ہزاروں برس کی راہ طے کرکے عالمِ ملکوت کا تفصیل کے ساتھ ملاحظہ فرما کر عالمِ سفلی میں نزول فرما کر دنیا پہ ثابت کر دیا تھا کہ جیبِ خدا اور رسولِ خدا میں فرق یہ ہے۔ نیز جیبِ خدا کے ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک ایسے غلام موجود رہے ہیں اور قیامت تک رہیں گے جو کہ وقتِ قصیر میں بُعد المشرق والمغرب کو طے کر لیتے ہیں اور بعض اُن میں سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کے طفیل ہوا پر چلتے ہیں۔ ایسی کرامات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی برکت کا نتیجہ ہیں۔ اسی سبب سے ہم کہتے ہیں کہ یہ حضرتؐ کا معجزہ ہیں۔ ملاحظہ ہو، نفحات الانس، حالاتِ مشائخ نقشبندیہ، تذکرۃ الاولیاء وغیرہ۔

جنات، حضرت سلیمان علیہ السلام کے کرہاً منقاد تھے تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و جان سے مطیع و فرمانبردار تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اُن کے مطیع بنانے کے لیے اگر قید کرنے کی ضرورت تھی تو یہاں حسن و جمالِ نبوی پر زلفیۃ ہو کر فوجوں کی فوجیں اسلام سے مشرف ہو کر اپنے دوسرے بھائیوں کو اسلام کی تلقین فرما کر محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرنے پہ عاشق زار بناتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزندِ ارجمند (حضرت سلیمان علیہ السلام) اگر جانوروں کی بولی سمجھتے تھے اور چیونٹی کی گفتگو سے واقف ہو کر لشکر کو ٹھہرنے کا حکم دیتے تھے تو ہمارے حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی شجر و حجر کی کلام اور تسبیح الجبال اور اونٹ و بھیڑیں، ہرنی و گوہ وغیرہ کی گفتگو سے واقف ہونے کے علاوہ اُن کی فریاد کو پہنچتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اگر جنوں کو قید کرنے پر قادر تھے تو یہاں بھی حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں غلام ہیں اور قیامت تک رہیں گے جن کو مولیٰ تعالیٰ نے یہ طاقت وقوت بخشی ہوئی ہے کہ وہ سرکش اور متمرد جنوں کو کلام الٰہی پڑھ کر قید کر لیتے ہیں بلکہ بعض سخت سرکشوں کو بوقتِ ضرورت ہلاک بھی کر ڈالتے ہیں ۔ اس کے متعلق مجھے چند واقعات یاد ہیں ، اختصار اجازت نہیں دیتا ورنہ ضرور لکھنے کی جرأت کرتا ۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت یحییٰ علیہ السلام اگر لڑکپن کی حالت میں حکم دئے جانے کے علاوہ بغیر کسی گناہ کے روتے جاتے اور صوم وصال میں مشغول رہتے تھے تو ہمارے حضرت حبیبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اُن سے ہر ایک صفت میں اعلیٰ وارفع تھے ۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام بُت پرستوں کے زمانہ میں نہ تھے اور نہ ہی انہوں نے جہالت کا دور دیکھا تھا ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ بُت پرست معاشرہ میں پیدا ہوئے اور اسی میں نشو ونما پائی ، پھر خدا کے فضل سے بتوں اور حزب الشیطان کے نزدیک خداداد فراست و دانائی کی وجہ سے نہ پھٹکے ۔ اور اُن سے ایسی نفرت ظاہر کرتے رہے کہ بُت پرست رشتے دار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا جانی دشمن سمجھنے لگے اور آپ کے قتل کی تدبیریں سوچنے لگے لیکن مولیٰ حقیقی نے مطابق وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے ۔" پارہ ۶ : المآئدہ : ۶۷) آپ کو دشمنوں کی شرارت سے محفوظ رکھا ۔ اور اخیر میں حق کا غلبہ ظاہر کر کے باطل اور اہلِ باطل کو مغلوب قرار دیا ۔ صوم ووصال آپ کا خاص طریقہ تھا ۔ چنانچہ صحابہ کرام نے چاہا کہ صوم وصال کی اتباع کریں ۔ لیکن حضور ؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے جیسے نہیں کیونکہ مجھے تو میرا رب صبح وشام غائب سے کھلاتا اور پلاتا ہے ، تم طاقت نہیں رکھتے کہ پے در پے

میری طرح صوم وصال کو ادا کر سکو ۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام اگر خوفِ الٰہی سے روتے تھے تو ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک سے خوفِ الٰہی کے باعث رونے کی آواز اس طرح آتی تھی ، جس طرح اُبلتی ہوئی ہنڈیا آواز دیتی ہے ۔

● حضرت موسیٰ کلیم اللہ و حضرت عیسیٰ روح اللہ اور حضرت رسول اکرم حبیب اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کا موازنہ درج ذیل ہے ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اگر کوہِ طور پر مکالمت کا فخر دیا گیا تھا تو ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مولیٰ کریم نے سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک مکالمت کا شرف مرحمت فرما کر ساتھ ہی دیدار سے بھی معزز فرمایا تھا ۔ جب دیدار کی تاب نہ لا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر غشی کھا کر ، بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام :-

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي "اے میرے رب میرے لیے میرا سینہ کھول دے ۔"
(پارہ ۱۶ : طٰہٰ : ۲۵)

کہہ کر شرحِ صدر کی تمنا کرتے تھے اور حبیب علیہ الصلوٰۃ کو خود ہی ربِّ کریم نے شرحِ صدر کی

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ "کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا"
(پارہ ۳۰ سورۃ الانشراح : ۱)

کہہ کر دولت بخشی ہے ۔ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حجابِ نار سے تجلّی ہوئی :-

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ (پارہ ۱۹ سورۃ النمل : ۸) "پھر جب آگ کے پاس آیا ، ندا کی گئی کہ برکت دیا گیا وہ جو اس آگ کی جلوہ گاہ میں ہے یعنی موسیٰ ۔"

جیب علیہ السلام پر جلوۂ نور سے تدلّی ہوئی اور وہ غایت تعظیم و تفخیم کے لیے بالفاظِ ابہام بیان فرمائی گئی :-

إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ

"جب سدرہ پہ چھا گیا جو کچھ چھایا۔"

(پارہ ۲۷ سورہ النجم : ۱۶)

کلیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج درختِ دنیا پہ نصیب ہوئی ۔

نُودِيَ مِن شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ (پارہ ۲۰ سورۃ القصص : ۳۰)

"ندا کی گئی میدان کے داہنے کنارے سے برکت والے مقام میں پیڑ (درخت) سے۔"

جلیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معراج سدرۃ المنتہیٰ و فردوسِ اعلیٰ تک بیان فرمائی :-

عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ ۝ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ

"سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔"

(پارہ : ۲۷ النجم : ۱۴-۱۵)

حضرت ہارون و کلیم علیہما الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ انہوں نے فرعون کے پاس جاتے وقت اپنا خوف ظاہر کیا :

رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَن يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَن يَطْغَىٰ

"اے ہمارے رب بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پہ زیادتی کرے یا شرارت سے پیش آئے۔"

(پارہ ۱۶ سورۃ طٰہٰ : ۴۵)

اس پہ حکم ہوا :

لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ (پارہ ۱۶ سورہ طٰہٰ : ۴۶)

"ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں، سنتا اور دیکھتا"

جیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خود مژدہ نگہبانی دیا :

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

"اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔"

(پارہ : ۶ سورہ المائدہ : ۶۷)

مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں فرمایا، اُن سے پرائی بات پر یوں سوال ہوگا۔

يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ (پارہ ۷، سورہ المائدہ : ۱۱۶)

"اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا ٹھہرالو۔"

معالم التنزیل میں ہے' اس سوال پر خوفِ الٰہی سے حضرت مسیح علیہ السلام کا بند بند کانپ اُٹھے گا اور ہر بُنِ مو سے خون کا فوارہ بہے گا۔ اس کے مقابلے میں شانِ جیب دیکھیے، جب جیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوۂ تبوک کا قصد فرمایا اور منافقوں نے جھوٹے بہانے بنا کر نہ جانے کی اجازت لی ' اس پر سوال تو حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہوا مگر یہاں جو شانِ اُلفت و محبّت و کرم و عنایت ہے' قابلِ غور ہے' ارشاد ہوا :-

عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ (پارہ ۱۰ سورۃ توبہ : ۴۳)

"اللہ تجھے معاف فرمائے تو نے انہیں کیوں اجازت دے دی :"

سبحان اللہ ! سوال پیچھے ہے اور یہ کمالِ محبت کا کلمہ پہلے ہے ۔

مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن مجید میں نقل ہے :-

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ

"پس جب عیسیٰ نے اُن سے کفر کو جانا تو فرمایا، اللہ کی طرف میرا مددگار اور ساتھی کون ہے۔ حواریوں نے کہا،

اَنْصَارُ اللّٰہِ (پارہ ۳: سورۃ عمران: ۵۲) "ہم اللہ کے مددگار ہیں۔"

جیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت انبیاء و مرسلین کو حکم نصرت ہوا:

لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ "جیب کے ساتھ ایمان لاؤ اور اس کی نصرت کرو۔"
(پارہ ۳: سورہ آل عمران: ۸۱)

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا تو انہوں نے خدا کی رضا چاہی:۔

وَعَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى "اے رب، میں نے تیری طرف اس لیے جلدی کی کہ تو راضی ہو۔"
(پارہ ۱۶ سورہ طٰہٰ: ۸۴)

جیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے بتایا کہ خداوندِ عالم نے ان کی رضا چاہی:۔

فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا۔ "ہم تیرا منہ اسی قبلہ کی طرف پھیریں گے جسے تو پسند کرتا ہے۔"
(پارہ ۲ سورہ البقرہ: ۱۴۴)

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى "اور البتہ تیرا رب تجھ کو اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔"
(پارہ ۳۰ سورہ الضحیٰ: ۵)

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرعون کے خوف سے مصر سے تشریف لیجانا بلفظِ فرار نقل فرمایا:

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ "جب میں نے خوف کیا تو تم سے بھاگ گیا۔"
(پارہ ۱۹ سورہ شعراء: ۲۱)

حضرت جیب محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہجرت فرمانا باحسن عبارات ادا فرمایا:

اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا "یاد کرو! جب کافر آپ کو نکالنے کی تدبیر بنا رہے تھے۔"
(پارہ ۹ سورہ الانفال: ۳۰)

کلیم علیہ السلام سے طور پہ کلام اور اسے سب پہ ظاہر فرما دیا:

اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ "میں نے تمہیں پسند کیا، پس تو وحی کو سن کہ بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس تو میری عبادت کر اور نماز کو میرے ذکر کے لئے قائم کر۔"
(پارہ ۱۶ سورہ طٰہٰ: ۱۳-۱۴)

جیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فوق السمٰوات مکالمہ فرمایا اور اُسے سب سے چھپایا:۔

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى "پس اس نے اپنے بندے (محمدؐ) کی طرف وحی کی۔"
(پارہ ۲۷ سورہ نجم: ۱۰)

ان سب امور کو بغور ملاحظہ فرمایا جائے تو آپ کو جیب اور کلیم کا فرق معلوم ہو جائے گا۔ جیبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلیم اللہ اور روح اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام سے بلند مرتبہ ہونے کا یہ بھی ثبوت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو معجزات دکھائے، فرعونیوں کو اس سخت قید سے آزادی دلائی جو دنیا کا جہنم تھا، قلزم سے پار اترتے ہی مشرکوں کو بت پرستی کرتے دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا کہ:۔

اَجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ "ہمیں ایک خدا بنا دے جیسا ان کے لیے اتنے خدا ہیں۔"
(پارہ ۹ سورہ الاعراف: ۱۳۸)

کہ جس طرح ان لوگوں کے لیے خدا ہیں ہمارے لیے بھی کوئی خدا بنا دیجیے، اس پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سخت سرزنش کی مگر پھر بھی وہ جب کوہِ طور پر چالیس رات مناجات کے لیے تشریف لے گئے تو انہوں نے پیچھے زیورات ڈھال کر بچھڑا بنا لیا اور اس کو معبود بنا کر پوجنے لگے کیونکہ اہلِ مصر بیل کی بھی پوجا کرتے تھے۔

یہ تو اُن کی معرفت اور خدا شناسی تھی، اب اولوالعزمی سُنیئے۔ جب عمالیق سے بنی اسرائیل کو لڑنے کا اتفاق ہوا تو ہر چند موسیٰ علیہ السلام نے ان کو لڑائی پر اُبھارا مگر اُن پر عمالیق کے قد و قامت سے وہ بزدلی طاری ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہہ دیا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ

"تو آپ جائیے اور آپ کا رب تم دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔"

(پارہ ۶ سورہ المائدہ : ۲۴)

کہ اے موسیٰؑ! جاؤ تم اور تمہارا رب اُن سے لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ پھر ایک بار نہیں بار بار اس قسم کی نافرمانیاں کرتے رہے حتیٰ کہ خود موسیٰ علیہ السلام تنگ آ گئے اور خدا سے عرض کیا کہ ایسی بدنصیب اور نالائق قوم کا مجھے کیوں ہادی بنایا؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کا حال سُنیئے! آپ نے اُن کو صدہا معجزات دکھائے۔ بہت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے حالانکہ وہ کوئی جدید شریعت بھی لے کر نہیں آئے تھے کہ جس کا قبول کرنا طبیعت پر شاق ہوتا۔ صرف موسوی مذہب میں صوفیانہ اخلاص اور سوز و گداز پیدا کرنے آئے تھے، اس پر بھی جب دشمنوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کیا، تو آپ کے سب اصحاب بھاگ گئے ——— شمعون اعظم الحوارین نے کہ جس کو آسمانی خزانوں کی کنجیاں دی گئی تھیں، اُن کی شناسائی سے بھی بلفظِ لعنت انکار کر دیا۔ مگر حبیب خدا حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو رنگ عرب کے خونخواروں اور جاہلوں پر چڑھایا وہ مرتے دم تک بھی زائل نہ ہوا اور بت پرست قوم کو کچھ ایسی چاشنی چکھا دی کہ قبر تک بھی اس چاشنی کا نشہ دور نہ ہوا حالانکہ جو کچھ آپ تعلیم فرماتے تھے وہ ان کی سابق آزاد اور شہوت پرست زندگانی کے بھی سراسر خلاف تھا، ایسے ایسے تہلکوں میں اپنی جانوں کو ڈال کر اپنے ہادی کو

فتح و نصرت دلا کر لائے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اُن کی وہی صاف اور سادہ زندگی اور درویشانہ حیات رہی۔ اس تفاوت پر تفاضل کو غور فرمایا جاوے۔

اس انصاف کے لیے بشرطِ فہم سلیم افضلیتِ حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سطورِ ذیل کافی ہیں۔ ملکِ عرب کی جہالت، درشت مزاجی اور گردن کشی کون نہیں جانتا، جس قوم میں ایسی جہالت ہو اور کوئی کتاب نہ آسمانی ہو نہ غیر آسمانی اور اخلاق کا یہ حال کہ قتل کر دینا ایک معمولی بات ہو، فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھا لائے اور پوجنے لگے اور گردن کشی کی یہ صورت کہ کسی بادشاہ کے کبھی مطیع نہ ہوئے، جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے خشک ملک میں شاد و خرم عمر گزاریں، ایسے جاہلوں، گردن کشوں اور متکبّروں کو راہ پر لانا ہی دشوار تھا چہ جائیکہ علوم الٰہیات و اخلاق و سیاستِ مدن اور علمِ معاملات و عبادات میں رشکِ افلاطون و ارسطو و دیگر حکمائے نامدار بنا دیا۔ اگر اعتبار نہ ہو تو اہلِ اسلام کی کتابوں اور اُن کی کتب کا موازنہ کر کے دیکھیں، مطالعہ کرنے والوں کو فریقین کی کتابیں دیکھنے سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ اِن علوم میں اہلِ اسلام تمام عالم کے علماء پر سبقت لے گئے ہیں۔ نہ یہ تدقیقات کہیں ہیں اور نہ یہ تحقیقات کہیں ہیں۔

اب آپ اندازہ لگائیں کہ جن کے شاگردوں کے علوم کا یہ حال ہے خود موجدِ علوم کا کیا حال ہو گا! نظرِ تحقیق سے کام لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ معجزہ دیگر انبیاء کے معجزات سے کس قدر بڑھا ہوا ہے اور صاحبِ معجزہ دیگر حضرات پر فضائل و فواضل میں کہاں تک فوقیت رکھتا ہے۔ پھر آپ بنظرِ انصاف اصحابِ موسیٰ و عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام اور اصحابِ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس بارہ میں موازنہ فرمائیں تو آپ کو متاخرین، متقدمین کی نسبت علوم و ایثارِ نفسی و جانثاری و اتباعِ کامل میں بڑھ کر نظر آئیں گے۔

حضرتِ موسیٰ علیہ السلام سے اگر اُن کا عصا سانپ بن کر زندہ ہو جاتا ہے تو حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق سے سوکھی کھجور کی لکڑی کا ستون زندہ ہو گیا اور پھر تماشا یہ ہے کہ اس کی اپنی وہی ہیئتِ اصلی رہی۔ اگر وہ کسی جانور کی شکل ہو جاتا جیسے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا حال ہوتا تھا تو یوں کہنے کی گنجائش تھی کہ آخر کچھ نہ کچھ زندوں سے مناسبت تو ہے مگر کھجور کا سوکھا ستون روئے اور دردِ محبت میں چلائے جس طرح کہ بچّہ فراقِ مادر میں بلک بلک کر روتا ہے۔

اس میں پہلے سے زندگانی کا کچھ لگاؤ ہرگز نہیں تھا اگر ہوتا تو پھر بھی کچھ مناسبت تھی، اس پر ذوق و شوقِ محبت اور دردِ فراقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو اس سوکھے ستون سے جمعہ کے دن ایک جمِ غفیر اور مجمعِ کثیر کے سامنے ظہور میں آیا یہ اور بھی افضلیتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ دردِ فراق اور شوق و اشتیاق مذکور کمال ہی درجہ کے ادراکِ شعور پر دلالت کرتا ہے۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عصاءِ موسوی کو اس ستون کے ساتھ کچھ نسبت نہیں۔ وہاں اس اژدہا سے سانپوں کی نوع سے بڑھ کر کوئی بات ثابت نہیں ہوئی اور یہاں وہ آثارِ حیات اس ستون سے نمایاں ہوئے کہ بجز اہلِ کمال نوعِ انسانی سے اور کسی سے اس کی امید نہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ حبیبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پتھروں کا سلام کرنا اور درختوں کا بعد استماعِ امر اطاعت کرنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور پردہ کے لیے دو درختوں کا جھک کر مل جانا، اس حیات اور شعور پر دلالت کرتا ہے کہ حیوانات سے اس کی توقع نہیں، اگر ہے تو افرادِ انسانی ہی سے ہے۔

حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنا یا گارے سے جانوروں کی شکل بنا کر زندہ کر دینا بھی اس قسم کے معجزاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ مُردہ قبل از موت تو زندہ تھا لیکن کھجور کا سوکھا درخت تو کبھی زندہ تھا ہی نہیں۔ ایسے ہی وہ جانور جو حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام گارے سے بنا کر اڑاتے تھے، باعتبارِ شکل تو ان کو کسی قدر زندوں سے مناسبت تھی۔ یہاں تو یہ بھی نہ تھا پھر ادراک و شعور اس کے علاوہ رہا۔

اگر آپ کو خیال ہو کہ رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح مُردے زندہ نہیں کئے تو لیجئے خصائصِ کبریٰ میں مرقوم ہے کہ حبیبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی والدہ ماجدہ کو زندہ کر کے مشرف با اسلام کیا تھا نیز جس وقت یہودیہ نے آپ کو گوشت میں زہر ملا کر کھلایا تھا تو اس بکری کے گوشت نے کلام کر کے آپ کو کھانے سے روک دیا تھا۔

انصار میں سے ایک اندھی بڑھیا مائی کا فرزند فوت ہو گیا تھا۔ اس کے غمگین ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فرزند کو زندہ کر کے مائی کو تسلی دی تھی۔ ایک مہاجرہ عورت کا لڑکا وباء المدینہ سے فوت ہو گیا تو وہ بھی آپ کی برکت سے زندہ ہوا تھا۔ اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر بھوک کے آثار دیکھ کر شیر دار بکری کو ذبح کر کے کھانا تیار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھا کر بکری کی تمام ہڈیوں کو جمع کر کے کچھ پڑھا تو وہ زندہ ہو گئی تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس کو پکڑ کر گھر لے گئے تو ان کی بیوی نے تعجب کیا اور صدقِ دل سے "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا۔

اسی طرح کے سینکڑوں واقعاتِ صحیحہ کتبِ معتبرہ میں درج ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں سے بھی اس قسم کی کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔ چنانچہ امام شعرانی نے طبقاتِ کبریٰ میں سیدی شیخ ابراہیم متولی کے حالات میں لکھا ہے کہ شیخ نے ایک کثیر العبادات اور ناقص الدرجہ فقیر کو دیکھا اور کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تو عبادت بہت کرتا ہے لیکن تیرا مرتبہ کم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیرا والد

تجھ سے ناراض ہو کر فوت ہو گیا ہے۔ میرے ہمراہ اپنے والد کی قبر پہ چل تاکہ تیرا قصور معاف کرائیں۔ شیخ نے قبر پہ جا کر اس کو آواز دی اور وہ قبر سے نکلا۔ شیخ نے کہا، ہم سب فقراء اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ تم اپنے بیٹے کا قصور معاف کرو اور اس پہ راضی ہو جاؤ۔ اس نے کہا، مَیں تم سب کو اس بات کا شاہد بناتا ہوں کہ میں اپنے بیٹے پہ راضی ہوں۔ شیخ نے کہا کہ تم اپنے مکان پر چلے جاؤ چنانچہ وہ قبر میں واپس ہو گیا۔

اسی طرح کے کئی واقعات امام قشیریؒ نے اپنے رسالہ میں لکھے ہیں جو درحقیقت حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے کی برکت سے اگر پتھر میں سے پانی نکلتا تھا تو یہاں دستِ مبارکِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سے نکلتا تھا اور ظاہر ہے کہ پتھروں سے پانی کا نکلنا اتنا عجیب نہیں جتنا گوشت پوست میں سے پانی کا نکلنا عجیب ہے۔ اس پہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ میں پتھر سے پانی نکلنے میں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جسمِ مبارک موسوی کا یہ کمال تھا اور یہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ دستِ مبارک محمدیؐ، منبع فیوض لا انتہاء ہے بلکہ جب یہ دیکھا جائے کہ کسی پیالہ میں تھوڑا سا پانی لے کر اس پہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیلا دیا جس سے اس قدر پانی نکلا کہ تمام لشکر سیراب ہو گیا اور لشکر کے تمام جانور بھی سیر ہو گئے۔ تو یہ بات بحکمِ فہمِ سلیم سمجھ میں آتی ہے کہ جیسے شیشہ، وقتِ تقابلِ آفتاب فقط فاعل اور مفعول ہوتا ہے اور نور افشانی فقط آفتاب ہی کا کام ہے اور یہ کمالِ نور اُسی کی طرف سے آیا ہے شیشہ کی طرف سے نہیں۔ ایسے ہی اس وقت جب رسولِ اکرم و افضل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دستِ مبارک اُس پانی پہ رکھا اور یہ معجزۂ تکثیرِ آب نمایاں ہوا تو یوں سمجھو کہ پانی محض فاعل تھا، فاعلیت اور ایجاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

سے تھا یعنی فاعلیت فاعلِ حقیقی اور ایجادِ موجدِ حقیقی کے سامنے آپؐ کا دستِ مبارک ایک واسطۂ فیض اور آلۂ ایجاد تھا گو اس مولیٰ قدیم کو بغیر وسائط کے بھی بنانا آتا ہے لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اس طور سے پانی کا پیدا ہونا صاف اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ جو کچھ ہوا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی تاثیر سے ظاہر ہوا اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ میں یہ خوبی نہیں نکلتی بلکہ فقط ایک قدرتِ خدا ثابت ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس کنویں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوکنے سے پانی کا زیادہ ہو جانا یا کچھ پڑھنے سے کھانے کا بڑھ جانا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ جسمی پہ دلالت کرتا ہے اور قدرتِ خدا پہ بھی دلالت کرتا ہے۔ برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کے واسطہ سے روٹیوں کا زیادہ ہو جانا فقط قدرتِ خدا پہ ہی دلالت کرتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کمالِ جسمی پہ دلالت نہیں کرتا، ہاں یہ مسلّم ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے ان امور کا ظہور میں آنا ان کے تقرّب پہ دلالت کرتا ہے اور اسی وجہ سے اُن کا معجزہ سمجھا جاتا ہے مگر یہ بات تو دونوں جگہ یعنی حضرت رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام میں برابر موجود ہے اور پھر اس پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کمالِ جسمی مزید برآں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت سے یونہی بیماروں کا اچھا ہو جانا اس قدر قابلِ وقعت نہیں جس قدر حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ کے ہاتھ لگانے سے ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا فی الفور صحیح و سالم ہو جانا اور بگڑی ہوئی آنکھ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ لگاتے ہی اچھا ہو جانا قابلِ عزت و حرمت ہے کیونکہ وہاں تو اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ خداوندِ عالم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہتے ہی بیماروں کو اچھا کر دیا، کچھ برکتِ جسمانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں پائی جاتی اور یہاں دونوں

موجود ہیں کیونکہ اصل فاعل تو پھر بھی خداوندِ عالم ہی رہا لیکن بواسطہ جسمِ محمدیؐ اس اعجوبہ کا ظاہر ہونا بے شک اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپؐ کا جسمِ مقدس منبع البرکات والفیوض ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یدِ بیضا کی خوبی میں کچھ کلام نہیں لیکن حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض اصحاب کی چھڑی کے سر پر بطفیل جناب رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اندھیری رات میں جب وہ آپؐ کی خدمت میں سے رخصت ہونے لگے، روشنی ہوگئی۔ وہ جانے والے دو شخص تھے، جہاں سے راہ جدا ہوئی وہاں سے وہ روشنی دونوں کے ساتھ ہولی۔

اب غور فرمائیے! دستِ مبارک موسوی علیہ السلام اگر جیب میں ڈالنے کے بعد بوجہ قربِ قلبِ منور روشن ہوا تھا تو اوّل تو وہ نبی تھے اور دوسرے نورِ قلب کا قرب وجوار جیسے بوجہ قربِ ارواحِ اجسام میں اُن کے مناسب حیاتِ آجاتی ہے ایسے ہی اگر بوجہ قربِ نورِ قلب دستِ موسوی میں اس کے مناسب نور آجائے تو کیا عجب ہے۔ لیکن یہاں تو وہ دونوں صاحب نہ نبی تھے اور نہ ہی اُن کی لکڑی کو قلب سے قربِ جوار اور نہ اخذِ فیض میں وہ قابلیت، جو بدن میں بہ نسبتِ رُوح ہوتی ہے۔ فقط برکتِ صحبتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام تھی جس کے باعث یہ خرقِ عادت ظاہر ہوتی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے اگر بنی اسرائیل پیدل ہی سمندر سے گزر گئے تھے تو یہاں حبیبِ خدا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے آپؐ کے غلام علاء بن حضرمی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع لشکر پیدل سمندر طے کر گئے تھے۔ اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتحِ مدائن کے وقت لشکر لے کر دریائے دجلہ کو عبور کیا تھا۔ اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو حضور سیدِ عالم رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے پانی پہ چلتے ہیں۔ چونکہ سردارِ انبیاء

علیہم الصلوٰۃ والسلام کو سمندر عبور کرنے کا موقع پیش نہیں آیا ورنہ تا ممکن تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے با حسن طریق نہ گزرتے، خاص کر اس حالت میں جب کہ آپؐ کے غلام گزر رہے ہیں۔

علیٰ ہٰذا القیاس اگر بنی اسرائیل پر من و سلویٰ اُترتا تھا تو یہاں بھی صحابہ کرام کو سمندر نے اس قدر بڑی مچھلی دی تھی کہ ایک ماہ برابر من و سلویٰ کا کام دیتی تھی نیز دستِ مبارک نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے طعامِ قلیل و لبنِ یسیر حدِّ افراد کو پہنچ کر سینکڑوں کو سیر کر دیتا تھا۔ جس کی تفصیل کتبِ حدیث بتلا رہی ہیں

مقامِ غور ہے کہ وہاں من و سلویٰ کے نازل ہونے میں کمالِ جسمی حضرت موسیٰ علیہ السلام ثابت نہیں ہوتا، صرف قدرتِ حق تعالیٰ ثابت ہوتی ہے۔ لیکن یہاں قدرتِ خدا کے علاوہ برکتِ نبویؐ اور حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کمالِ جسمی بھی ظاہر ہوتا ہے۔ تفاوت ملاحظہ ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر قدرتِ خدا سے اندھوں کو بینا کر دیتے تھے تو رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اُس صحابی کے علاوہ جس کی آنکھیں سانپ پر قدم رکھنے کی وجہ سے ضائع ہوگئی تھیں، اُس بے بصارت مائی کو بھی صاحبِ بصارت بنا دیا تھا جس پر کفار نے یہ الزام لگایا تھا کہ لات و عزیٰ کی عبادت چھوڑنے کی وجہ سے اندھی ہوگئی ہے اور لات و عزیٰ ہی نے اس کو اندھا کیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر غیب کی خبریں دیتے تھے تو پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر غیب کی خبریں دی ہیں کہ کسی اور نبی نے نہیں دیں۔ اگر کسی صاحب کو دعویٰ ہو تو مقابلہ کر کے دیکھیں۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب کی خبریں کثرت سے صادق بھی ہو چکی ہیں مثلاً خلافت کا ہونا، حضرت عثمانؓ و حضرت امام حسینؓ کا شہید ہونا، حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ پہ دو بڑے گروہوں کی صلح کا ہوجانا،

ملکِ کسریٰ اور ملکِ روم کا فتح ہونا، بیت المقدس کا فتح ہو جانا، مروانیوں اور عباسیوں کا بادشاہ ہونا، نارِ حجاز کا ظاہر ہونا، ترکوں کے ہاتھ سے اہلِ اسلام پر صدمات کا نازل ہونا جیسا کہ چنگیز خاں کے زمانہ میں ظاہر ہوا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ظہور میں آچکی ہیں۔ نیز باوجود اُمّی ہونے کے اور کسی نصرانی یا یہودی عالم کی صحبت میں نہ ہونے کے وقائع انبیاءِ سابق کے احوال کا بیان فرمانا ایسا روشن ہے کہ سوائے متعصب اور ناانصاف کے کوئی اور انکار نہیں کر سکتا۔ غرض جو کچھ بھی کسی نبی و رسول کو ملا وہ سب اور اُس سے افضل و اعلیٰ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا اور جو محبوب کو ملا وہ کسی اور کو نہ ملا ؎

حُسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا داری
آنچہ خُوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پہلے مقدمہ کے مطابق جو خرقِ عادت کسی اُمّتی سے ظاہر ہو وہ درحقیقت اس اُمّتی کے نبی کا معجزہ ہے کیونکہ اُمّتی کو یہ شرف اُس نبی کی برکت اور اُس کی اتباعِ کامل سے ملتا ہے۔ اگر آپ انبیائے کرام کے معجزات کو جمع کر کے ایک طرف رکھیں اور حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کی کرامات کو دوسری طرف تو یقیناً آپ کو کسی رسولِ سابق کا ایسا معجزہ نہ ملے گا جس کے مقابل حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی غلام کی کرامات بعینہٖ موجود نہ ہوں جو کہ نفس الامر میں آپؐ کا معجزہ ہے۔ اس بنا پر بھی آپ انصاف فرمائیں تو واضح ہو جائے گا کہ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی قطعی طور پر سب حضرات انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے سردار اور پیشوا ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بڑے نبی ہیں جن کو عیسائی و مسلمان تقریباً نصف کے قریب دنیا مان رہی ہے، انہوں نے مُردے زندہ کئے، اندھوں کو بینا کیا اور بیماروں کو

شفا بھی دی۔ غرض بہت سے معجزے دکھائے مگر فرضِ منصبِ نبوت کا بنی اسرائیل پر کوئی معتدبہ اثر نہ ہوا۔ حالانکہ آپ بنی اسرائیل کی مسلّم کتابوں اور مسلّم نبیوں کے جملہ دستورات و قواعدِ مذہبیہ میں کوئی تغیر بھی نہ کرنا چاہتے تھے جو رنج و عداوت کا سبب متعیّن ہو سکے بلکہ طریقت و معرفت کے معلّم تھے۔ مگر بنی اسرائیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم تھی کچھ اثر پذیر نہ ہوئی۔ بلکہ اُن پر اور اُن کی والدہ ماجدہ پاکدامن پر بیہودہ الزام لگانے کھڑی ہو گئی۔ اور تو اور اُن کے بارہ حواریوں پر بھی اُن کی ہدایت کا اس وقت تک پورا سکّہ نہ جما۔ ایک نے تو جس کا نام یہودا ہے چند روپوں کی خاطر اپنے آقا کو یہود کے ہاتھ گرفتار کرا دیا اور شمعون پطرس اعظم الحوارین جس کو آسمانی خزانوں کی کنجیاں بھی دی گئی تھیں، اس کا حال یہ ہوا کہ بجائے جان نثاری اور ایثارِ نفسی کے ایک عورت کے یہ کہنے پر کہ یہ بھی اس کے ساتھیوں میں سے ہے شناخت کا بھی انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ میں تو انہیں جانتا بھی نہیں۔

اس کے مقابلہ میں حبیبِ خدا حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام پر اپنی تعلیم کا جو سکّہ بٹھا دیا تھا، اس کی ایک نظیر آپ کے سامنے بیان کی جاتی ہے کیونکہ صحابہ کی جاں نثاری اور ایثارِ نفسی کا مسئلہ موافق و مخالف سب کے نزدیک مسلّم ہے۔

جنگِ بدر میں جب ہزار کے قریب مکہ مکرمہ کے جنگ جو اور قریش جن میں خود حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرزند عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور اسی طرح سب مہاجرین کے بہت ہی قریب رشتہ دار تھے، کوئی ماموں، کوئی بھانجا، کوئی باپ، کوئی بیٹا، کوئی چچا، کوئی بھتیجا، کوئی خسر، کوئی داماد اور کوئی بھائی تھا۔ ادھر مسلمانوں میں کچھ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ پھر بڈھے کمزور بھی تھے۔ اور ہتھیار بھی سب کے

پاس نہ تھے۔ اس کے برعکس قریشِ مکّہ کے منتخب لوگ مسلّح ہو کر حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ایمان لانے والوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے آئے تھے۔ مسلمانوں کی اس حالت میں بھی تعداد تین سو سے کچھ اوپر تھی۔

لڑائی کے شروع ہوتے ہی کفّارِ قریش نے انصار کی بابت پکار کر یہ کہا کہ یہ قریش کی تلواروں کی کیا تاب لا سکتے ہیں، ابھی بھاگ جائیں گے۔ اس پر سعدؓ بن عبادہ انصاری سردار نے للکار کر جواب دیا کہ ہم بنی اسرائیل نہیں کہ اپنے پیغمبر سے یوں کہیں کہ:

"جا تُو اور تیرا خُدا لڑتے پھرو ہم تو آگے نہیں بڑھتے۔ اگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو غوطہ مارنے کا حکم دیں تو ہم سب ابھی سمندر میں کُود پڑنے کو تیار ہیں۔"

پھر جب ابوجہل فرعونِ اُمّت نے یہ طعنہ دیا کہ غیروں کو کیا مقابلے میں لاتے ہو، "اے محمدؐ! اپنے لختِ جگروں کو پیش کرو۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت حمزہ اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو آگے بڑھایا۔ الحاصل بھائی کے مقابلہ میں بھائی، باپ کے بیٹا اور چچا کے بھتیجا ہو گیا اور مسلمانوں نے پوری جاں نثاری سے حضرت رسولِ اکرم و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتحیاب کیا۔ اب مقامِ غور و فکر ہے کہ وہ کیا نشہ تھا جو حضور سیّدِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو پلا دیا تھا۔ وہی روحانی شراب تھی جس کے نشہ میں نہ اُن پر کسی کی ہیبت و کثرت غالب آتی تھی، نہ قرابت سدِ راہ ہو سکتی تھی۔ کیا کوئی شخص اس کی نظیر اصحابِ موسیٰؑ و عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام میں بتا سکتا ہے۔؟ ہرگز نہیں! غرض سلسلۂ نبوت میں کوئی بھی ایسا نہیں جو ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر برکاتِ آسمانی اور فضائل و محاسن کا مالک تسلیم کیا جائے۔

بیانِ سابق کی تائید میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند عیسائی مصنفوں کے اقوال پیش کئے جائیں۔ کیونکہ ؎

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

"فضیلت (بزرگی) وہ ہوتی ہے جس کی شہادت دشمن بھی دیں۔"

گاڈفری ہگنس اپنی کتاب میں گبن صاحب کی رائے ان الفاظ میں نقل کرتا ہے کہ "چاروں خلفاء کے اخلاق و اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے۔ اُن کی سرگرمی دلدہی اخلاص کے ساتھ تھی، ثروت پا کر بھی انہوں نے اپنی زندگی مذہبی اور اخلاقی فرائض ادا کرنے میں گزار دی۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جو پیغمبر کے اقتدار پانے سے اوّل بھی جبکہ وہ مصیبتوں اور تکلیفوں کا نشانہ بن رہے تھے، اُن پر ایمان لائے، اس سے اُن کی راست بازی معلوم ہوتی ہے اور دنیا کی سرسبز سلطنتوں کے مسخر کر لینے سے اُن کی لیاقت کی فوقیت معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت میں کوئی یقین کر سکتا ہے کہ ایسے شخصوں نے ایذائیں سہیں، جلاوطنی اختیار کی اور بڑی سرگرمی سے پابندی کی، یہ سب ایک ایسے شخص کی خاطر سے تھا کہ جس میں برائیاں ہوں اور اس کا مذہب اُن کی تربیت اور ابتدائی زندگی کے تعصبات کے بھی برخلاف ہو اس پر یقین نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ خارج از حیطۂ امکان ہے۔ عیسائی اس بات کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مسائل نے اس درجہ نشہ اُن کے معتقدوں کے دل میں پیدا کیا تھا کہ جس کا عیسیٰؑ علیہ السلام کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب اس تیزی سے دنیا میں پھیلا کہ جس کی دینِ عیسوی میں مثال نہیں چنانچہ نصف صدی سے بھی کم مدت میں اسلام بہت سی عالیشان اور سرسبز سلطنتوں پر غالب آ گیا تھا۔ جب عیسیٰؑ علیہ السلام کو سُولی پر لے گئے تو اُن کے پیرو بھاگ گئے، اُن کا دینی نشہ جاتا رہا اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے۔

اگر بالفرض اُن کو حفاظت کرنے کی ممانعت تھی تو آپ کی تشفی کے لیے تو موجود رہتے اور استقلال سے آپ کے اور اپنے ایذارسانوں کو دھمکاتے۔ اس کے برعکس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اُنکے گرد آئے اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر اُن کو تمام دشمنوں پر فتحیاب کیا۔"

پھر گبن صاحب اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب شکوک وشبہات سے پاک ہے۔ مکہ کے پیغمبر نے بتوں، انسانوں، ستاروں کی پرستش کو اس دلیل سے رد کر دیا کہ جو فانی اور طلوع وغروب ہونے والا ہے وہ قابلِ پرستش نہیں کیونکہ اُس کو ہستی کی کسی بات کا اقتدار حاصل نہیں، اس نے بانیٔ کائنات کا ایک ایسا وجود تسلیم کیا کہ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اور نہ وہ کسی شکل میں محدود نہ کسی مکان میں موجود اور نہ اُس کی کوئی نظیر ہے۔ ان بڑے بڑے حقائق کو پیغمبر نے ظاہر کیا اور اس کے پیروؤں نے اس کو تسلیم کیا اور مفسروں نے دلائل سے ان کی تشریح کی، جن کی نسبت ایک بڑے سے بڑا حکیم کہہ سکتا ہے کہ وہ ہمارے موجودہ قوئ اور عقل سے بھی بالاتر ہیں۔ اس لیے اُن کے پیرو ہندوستان سے لیکر مراکش تک موحد کے لقب سے مشہور ہیں۔ وہ اصول جن کی بنیاد عقل والہام پر ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت سے استحکام کو پہنچے۔"

رواڈیل کو بھی کہنا پڑا کہ "محمدؐ کے سب کام اس نیک نیتی کی تحریک سے ہوتے تھے کہ اپنے ملک کو جہالت، ذلت اور بُت پرستی سے چھڑائیں اور اُن کی بڑی خواہش یہ تھی کہ امرِ حق (یعنی توحیدِ الٰہی کا) جو اُن کی روح پر بدرجۂ غایت غالب تھا، اشتہار کریں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایک عجیب نمونہ اُس قوت وحیات کی تھی جو ایسے شخص میں ہوتی ہے جس کو خدا اور قیامت پر اعتقاد کامل ہو جاتا ہے۔ اب اس میں سے جو نتیجے پیدا کیے جائیں، اُن کی ذاتِ کریم اور سیرت

صداقتِ مشحون کے سبب ان کو اُن لوگوں میں تصور کرنا چاہیے کہ جن کو ایمان، اخلاق ابنائے جنس کی تمام حیات پر اقتدارِ کامل حاصل ہوتا ہے جو حقیقت میں بجز اولوالعزم کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔"

لارڈ ولیم میور متعصب عیسائی کو بھی انصاف نے یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ "ہم بلا تامل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے ہمیشہ کے لیے اکثر توہمات کو معدوم کر دیا، اسلام کے رُوبرُو بت پرستی مٹ گئی اور خدا کی وحدانیت، غیر محدود کمالات اور قدرتِ کاملہ کا مسئلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معتقدوں کے دلوں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہوگیا جیسا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل میں تھا۔ مذہبِ اسلام کی پہلی بات جو خاص اسلام کے معنی میں ہے، یہ ہے کہ خدا کی مرضی پر توکل مطلق کرنا چاہیے، بلحاظ معاشرت کے بھی اسلام میں کچھ کم خوبیاں نہیں۔ چنانچہ مذہب اسلام میں ہدایت ہے کہ سب مسلمان آپس میں برادرانہ محبت رکھیں، یتیموں کے ساتھ نیک سلوک رکھیں، غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آئیں، نشے کی چیزوں کی ممانعت ہے۔ مذہب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس میں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا۔"

یہی لارڈ ولیم میور اپنی کتاب "سیرتِ محمدیہ" میں دوسری جگہ لکھتا ہے، "ایک زمانۂ نامعلوم سے مکہ اور جزیرۂ عرب کی روحانی کیفیت بالکل بے حس وحرکت ہوگئی تھی، تمام عرب توہمات اور بدکاریوں میں غرق ہو رہے تھے، یہ عام رسم تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیوہ کو بیاہ لیتا تھا، اُن کے غرور وافلاس سے اُن میں رسمِ دختر کُشی بھی جاری تھی، اُن کا مذہب حد درجہ بت پرستی کا تھا اور ان کا ایمان ایک مسبب الاسباب، مالکِ علی الاطلاق پر نہ تھا، قیامت اور جزا وسزا جو فعل یا ترکِ فعل کا باعث ہو اُس کی اُنہیں خبر بھی نہ تھی۔ ہجرت سے تیرہ برس پہلے (یعنی اظہارِ نبوت سے پیشتر) مکہ مکرمہ

ذلیل حالت میں بے جان پڑا ہوا تھا مگر ان تیرہ برسوں نے کیا اثرِ عظیم پیدا کیا کہ لاکھوں آدمیوں نے بتوں کی پرستش چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور حسنات و خیرات و پرہیزگاری اور انصاف اُن کا طریقہ ہوگیا اور انہیں شب و روز قادرِ مطلق کی قدرت کا خیال رہنے لگا اور سمجھنے لگے کہ وہ ہی رازق ہمارے ادنیٰ حوائج کا بھی خبر گیراں ہے۔ اس تھوڑے عرصہ میں مکّہ اس عجب تاثیر کے سبب دو حصوں میں تقسیم ہو گیا، مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمّل اور شکیبائی سے برداشت کیا، اُس کے بعد ایک سو مرد و عورت اپنے عزیز ایمان کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے، پھر اس سے زیادہ آدمی اور خود نبی بھی اپنے عزیز شہر اور مقدّس کعبہ کو چھوڑ کر مدینہ میں ہجرت کر کے چلے آئے۔ یہاں بھی اس عجیب تاثیر نے ان لوگوں کے لیے ایک ایسی برادری قائم کر دی جو نبی اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو تیار ہو گئے، مدینہ کے باشندوں کے اگرچہ مدّت سے یہود کی حقانی باتیں کانوں میں پڑی ہوئی تھیں مگر وہ بھی اُس وقت تک خوابِ خرگوش سے بیدار نہ ہوئے جب تک کہ نبی عربیؐ کی پُر تاثیر اور رُوح کو کپکپا دینے والی باتیں اُن کے کانوں میں نہ پڑی تھیں، اب وہ بھی ایک نئی اور سرگرم زندگانی کا دَم بھرنے لگے۔

ان مصنفوں کے علاوہ فرنچ اور جرمن فاضلوں نے بھی ان سے زیادہ شہادت ادا کی ہے اور بڑی تفصیل سے اپنے بیان کو مدلّل کیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کمالات و برکات اور اخلاق حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرام میں پائے جاتے ہیں وہ اور کسی نبی اور اس کے ساتھیوں میں نہیں۔

حضرت رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت سب انبیاءِ کرام اور ملائکہ عظام پر ثابت کرنے سے ہماری غرض نعوذ باللہ توہینِ انبیاء و تنقیصِ رُسل نہیں، ہمارا تو مدعا صرف اتنا ہے کہ کیا یہ جماعتِ برگزیدگان درجہ و رتبہ میں مساوی ہے یا کہ اُن میں

بھی بلحاظِ کمالات و برکات تفاوت ہے۔ جہاں تک قرآن مجید و احادیث شریفہ اور واقعاتِ خارجیہ نے ہماری رہنمائی کی ہے۔ بنظرِ تحقیق و تدقیق واضح ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب حضرات سے کمالات و برکات اور اخلاق و حسنات میں اعلیٰ و افضل ہیں۔ چنانچہ مخالفینِ اسلام بھی اسی امر کے واقعات دیکھ کر اپنی کتب میں صحیح شہادت دینے پر مجبور ہوئے ہیں، عقائدِ اہل سنّت و جماعت کے مطابق سب حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نورٌ علیٰ نور اور واجب التعظیم ہونے کے علاوہ ہمارے مقتدا و پیشوا ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کی ان کی شان میں کسی قسم کی گستاخی یا بے ادبی یا توہین و تنقیص کا جائز رکھنا موجبِ لعنتِ خداوندی اور خسران و ذلّت ہے اور اُن کی اتباع، اُن کی محبت، اُن کی عقیدت باعث خوشنودیٔ رب العالمین ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بنی آدم کے سردار کا اپنا مرتبہ ہے۔ اور دیگر حضرات کا اپنا درجہ، اس کے فضائل و محاسن جدا ہیں اور اُن کے برکات و حسنات جدا ہیں۔

انبیائے کرام نفسِ نبوّت و رسالت من حیث ہی ہی کے درجہ میں سب مساوی ہیں کیونکہ نبوت کلّی متواطی ہے جس کا صدق تمام افراد پر یکساں ہے۔ اس اعتبار سے یہ نہیں کہا جاتا کہ فلاں نبی میں نبوّت زیادہ ہے اور فلاں میں کم یا فلاں رسول میں رسالت کامل ہے اور فلاں میں ناقص، ہاں نفسِ نبوت کے ساتھ مطابق آیاتِ قرآنیہ و احادیث نبویہ کمالات و خصوصیات اور مراتب و محاسن میں سلسلۂ رُسل و انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات متفاوت ہے۔ بعض کے حق میں صرف رُسل اور بعض کی شان میں اولوالعزم رُسل پکارا گیا، بعض کو رَفَعۡنَا مَکَانًا عَلِیًّا اور بعض کو اٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا سے یاد کیا گیا، بعض کو زبور اور بعض کو بیّنات دے کر فخر بخشا گیا، بعض کو تکلّم کا شرف اور بعض کو مراتب و مدارج کی ترقی کا تمغہ دیا گیا، تو گویا نفسِ نبوّت و رسالت کے

ساتھ سب حضرات اس طرح کے کمالات و کرامات میں مختلف ہیں اور اسی بناء پر ان میں تفاضل بیان کیا جاتا ہے جس کو علمائے متقدمین و متاخرین، سلف و خلف ہر زمانہ میں برابر ظاہر کرتے چلے آئے ہیں۔

انبیاء کرام اوصافِ حسنہ اور اخلاقِ حمیدہ سے موصوف ہیں اور فضائل و کمالات سے مزیّن ہونے کے علاوہ ہمارے رہنما اور واجب التعظیم بزرگ ہیں لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سب حضرات ایک نہ ایک صفتِ خاصہ سے خاص طور پر ممتاز و مشہور تھے، حضرتِ داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نعمت پر شاکر مشہور تھے تو حضرت ایوب علیہ السلام بلاؤں پر صبر کرنے میں ممتاز تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام صبر و شکر میں معروف تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام معجزاتِ قاہرہ کے مالک تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام صدق و صفا کے صاحب تھے تو حضرت الیاس، زکریا اور یحییٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام خاص طور پر زہد میں مشہور تھے۔ ان حضرات پر فضائلِ حمیدہ و فضائلِ برگزیدہ میں سے ایک ایک صفتِ خاص جو غالب تھی وہ سب اوصاف، خدا کے حبیب، ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کلّی طور پر موجود تھے۔ قرآن مجید ان الفاظ میں

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ	"یہ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت کی تو
فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ	تم انہیں کی راہ پر چلو"

(پارہ ۷، سورہ الانعام : ۹۰)

اسی مضمون کی تشریح فرما رہا ہے کیونکہ نبیٔ کریم حبیبِ خدا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ اس جماعتِ برگزیدہ کے فضائل و شمائل میں اقتداء کریں۔ چنانچہ آپؐ کے کئی اور واقعات سے معائنہ کرا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سب اوصافِ جلیلہ و اخلاقِ جمیلہ کے حاوی تھے جو کہ دیگر حضرات میں افرادی طور پر جمع

تھے، اس لیے آپ کو سیّد المرسلین امام النبیّین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اگر سامعین حضرات کو یہ خیال گزرے کہ کتاب ہٰذا میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ رسولِ اکرم حبیب خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام سب حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات سے افضل و اعلیٰ ہیں اور اُدھر خود حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

مَا يَنْبَغِىْ لِعَبْدٍ اَنْ يَّقُوْلَ	"کسی آدمی کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ کہے
اَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُّوْنُسَ ابْنِ مَتّٰى	کہ میں یونس ابن متی سے بہتر ہوں"

اور ایک روایت میں

لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ	"انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو"۔

اور دوسری حدیث میں وارد ہے

لَا تُخَيِّرُوْنِىْ عَلٰى مُوْسٰى	"مجھے موسیٰؑ پر ترجیح نہ دو"۔

یعنی کسی کو لائق نہیں کہ یہ کہے کہ میں یونس بن متّیٰ سے بہتر ہوں۔ انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دیا کرو۔ مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دیا کرو۔ اس کے متعلق یہ سمجھ لینا چاہیے کہ انبیاء کرام کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ نبی ہوتے ہیں اور نبوت میں وہ سب یکساں ہیں۔ دوسری حیثیت اُن کے مراتب و مدارج کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

گزشتہ صفحات میں تفصیل سے تحریر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید میں انبیاء کرام کے مراتب و مدارج علیحدہ علیحدہ بیان ہوئے ہیں۔ کسی کو صدیق کہا گیا، کسی کو کلیم۔ نبوت کی حالت اور حیثیت کے متعلق قرآن شریف میں بھی ہے کہ:

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ	"ہم اس کے کسی رسول پہ ایمان لانے
(پارہ ۳ سورۃ البقرہ : ۲۸۵)	میں فرق نہیں کرتے"۔

جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبیوں میں فرق نہیں ۔ ہم اہلِ اسلام از روئے قرآن شریف و احادیث ، حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام پر جو فضیلت ثابت کرتے ہیں وہ باعتبار مرتبہ اور شان ہے جو بارگاہِ الٰہی سے حضور اقدس ؐ کو حاصل ہے اور ایسی فضیلت بموجب ارشاد باری تعالیٰ :

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (پارہ ۳ سورۃ البقرہ : ۲۵۳)

"یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا"

ایک ضروری امر ہے ۔ یعنی گروہِ انبیاء (رسول) میں بعض کو بعض پر فضیلت ہے ۔ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو کتاب نازل ہوئی ہے یعنی قرآن شریف اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کتبِ سابقہ توراۃ ، انجیل ، زبور و صحفِ انبیاءِ کرام کی نگہبان ہے یا اُن سب تعلیماتِ سماوی جو پہلی کتابوں میں تھیں ، کا ایک مجموعہ ہے ۔ اور جس طرح مسلمانوں کے ایمان میں پہلی کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے ، اسی طرح قرآن شریف پر ایمان لانا بھی ضروری ہے ۔ محض اس اعتبار سے کہ وہ کتابیں بھی خدا کی طرف سے آئیں اور قرآن شریف کا نزول بھی خدا کی طرف سے ہے اس میں سب برابر ہیں ۔ لیکن چونکہ یہ (قرآن شریف) سب تعلیماتِ آسمانی کا مجموعہ ہے اور اس کے بعد اب کوئی نئی کتاب اور شریعت نہیں ، اس لیے قرآن شریف تمام کتبِ سماوی سے افضل ہے ۔ اسی طرح اگرچہ نبوت کے عہدہ کے لحاظ سے تمام انبیاءِ کرام مساوی ہیں اس اعتبار سے کہ وہ تمام صفات جو دوسرے انبیاء میں علیحدہ علیحدہ تھیں اور وہ تمام مراتب و مدارج جو انبیاءِ سابقین علیہم السلام کو عطا ہوئے وہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مستجمع الصفات میں جمع ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں ۔ قرآن شریف میں یہ بھی ارشاد ہے کہ :-

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ (پارہ ۱۵ بنی اسرائیل : ۵۵)

"اور بے شک ہم نے نبیوں میں ایک کو ایک پر بڑائی دی"

یعنی ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی اور احادیثِ صحیح میں حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت کا صراحۃً بیان ہے جیسا کہ ہم نے بالتفصیل واضح کر دیا ہے ۔ علاوہ ازیں پہلی آسمانی کتابوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک انبیاءِ سابقین کی بہ نسبت ارفع و اعلیٰ بیان کی گئی ہے ۔ پس ان یقینی دلائل کی موجودگی میں فضیلتِ نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تسلیم کرنے میں کسی تامل یا تردد کو راہ نہیں ملتی ۔

ہم دنیا کے مدارج و مراتب دیکھ کر اس فضیلت کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں ۔ مثلاً بادشاہ کی طرف سے عہدہ دار مقرر ہوتے ہیں جو باعتبار ملازم ہونے کے اور باعتبار عہدہ دار ہونے کے باہم مساوی ہوتے ہیں مگر باعتبارِ رتبہ اُن میں بہت فرق ہوتا ہے ۔ مثال کے طور پر ضلع کا مالک ایک ڈپٹی کمشنر ہوتا ہے ، باعتبارِ عہدہ و اختیارات ڈپٹی کمشنری کے ہندوستان کے تمام اضلاع کے ڈپٹی کمشنر مساوی ہیں لیکن ان میں بہت سے مدارج ہیں ۔ پانچ چھ سو روپیہ سے لے کر دو اڑھائی ہزار تک مختلف تعداد کی تنخواہیں ہوتی ہیں تو اس اعتبار سے جن کو زیادہ تنخواہ ملتی ہے وہ بہر حال باوجود اس کے کہ تھوڑی تنخواہ والے عہدہ میں اُن کے برابر ہیں ، تھوڑی تنخواہ پانے والوں سے زیادہ رتبہ رکھتے ہیں اور اس طرح سے اُن کو فضیلت حاصل ہوتی ہے ۔

جن حدیثوں میں حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسروں پر فضیلت سے منع فرمایا ہے ، اُن کے متعلق علماءِ کرام نے مندرجہ ذیل امور بطور شک یا بطور جواب (بشرطیکہ کسی کو اعتراض ہو) بیان فرمائے ہیں :-

اوّل : یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ایک نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت نہیں ، ایسے وقت کا ارشاد ہے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی

افضلیت اور برتری کا علم نہیں دیا گیا تھا۔ جس وقت حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کی طرف سے اس کا علم دیا گیا تو اُس وقت صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا کہ "میں سب کا سردار اور پیشوا ہوں"۔

دوم: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے محض از روئے تواضع و انکسار اور بغرض کبر و عجب دُور کرنے کے ایسا فرمایا کہ مجھ کو نبیوں پر فضیلت نہ دو۔

سوم: انبیاءِ کرام میں سے ایک کو دوسرے کی فضیلت مذموم ہے جس سے کسی نبی کی شان میں توہین و تذلیل کا احتمال ہو۔ اور باعثِ فسادِ ایمان و اسلام ہو۔ اگر کسی کی فضیلت بلاخیالِ توہین و تذلیل محض امرِ واقعہ کے اظہار کی غرض سے ہو تو وہ امرِ واقعی ہے اور اس میں کوئی ممانعت نہیں۔

چہارم: نفسِ نبوت و رسالت "من حیث ھی ھی" (اس حیثیت سے وہ یہ ہے) کے درجہ میں سب حضرات انبیاءِ کرام مساوی ہیں۔ اس لیے حکم ہے کہ تم نبوت و رسالت مطلقہ کے درجہ میں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دیا کرو کیونکہ اس میں تفاضل نہیں ہو سکتا۔ ہاں باعتبارِ زیادتیٔ کمالات و برکات و خصوصیات و کرامات بعض کا بعض پر فوق ثابت ہے سو اس کے اظہار میں مضائقہ نہیں۔ چنانچہ ہم اس کے متعلق بڑی وضاحت سے اُوپر بیان کر آئے ہیں۔

پنجم: جس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی کو یہ حق نہیں کہ اپنے آپ کو حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت دے۔ اس میں فضیلت والا نبی مقصود نہیں ہے بلکہ عام لوگوں کو خطاب ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ غیر نبی خواہ کتنا ہی مقربِ بارگاہِ ایزدی ہو، نبی کے برابر نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ نبی سے افضل ہو۔ بدیں وجہ منع فرما دیا کہ نبی پر کوئی اپنے آپ کو فضیلت نہ دے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ غیر نبی، نبی کا مقابلہ کر لے۔

اگرچہ خدا کے پیارے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد و محاسن اور اُن کی فضیلت کا بیان بہت تفصیل چاہتا ہے، اور اگر کوئی لکھنا چاہے تو دفتر کے دفتر بھی اس بحث کے لیے کافی نہیں ہو سکتے۔ لیکن ہمارا مضمون چونکہ لمبا ہوتا جاتا ہے، اس لیے ہم نے حتی الامکان اس کو مختصر لفظوں میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ایک سلیم الفطرت مسلمان کے لیے اتنا ہی کافی بلکہ کافی سے زیادہ ہے۔ بڑے بڑے اکابر علماء و فضلاء نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس پر بھی اُن کو عجز کا اقرار ہے، اور اسی عجز کو میں اپنے آپ میں محسوس کر کے اس مضمون کو اس مشہور قطعہ پر ختم کرتا ہوں ؎

یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَ یَا سَیِّدَ الْبَشَر
مِنْ وَجْهِكَ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَر
لَا یُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهٗ
بَعْد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(اے صاحبِ جمال، اے بشروں کے سردار تیرے چہرۂ منور سے چاند کو روشن کیا گیا۔ آپ کی ثناء (تعریف) ممکن ہی نہیں جیسا کہ اُس کا حق ہے مختصر قصہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ ہی بزرگ ہستی ہیں۔)

اب ایک اور امرِ قابلِ غور ہے کہ یہ تو بخوبی ذہن نشین ہو گیا ہے کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سابقین سے افضل و اعلیٰ ہیں، اور قرآن شریف تمام کتبِ سماوی سے اعلیٰ و افضل ہے، لہٰذا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حضور سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات کا دینِ مقدس اسلام تمام ادیانِ سابقہ سے افضل و اعلیٰ ہوگا اور یہ امر کسی نتیجہ یا قیاس پر منحصر نہیں بلکہ خداوند کریم نے اپنے مقدس کلام قرآن شریف میں اس کی صراحت فرما دی ہے کہ:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ — "بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔"

(پارہ ۳، آل عمران: ۱۹)

یعنی خدا تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ادیانِ سابقہ کا اب کوئی وجودِ حقیقی نہیں۔ اب کوئی دین اسلام کے سوا اپنی اصلی صورت میں باقی نہیں ہے بلکہ اگر دین کہا جا سکتا ہے تو صرف "اسلام" کو۔ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ — "اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔"

(پارہ ۳: سورہ آل عمران: ۸۵)

یعنی جو شخص دینِ مقدس اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی پیروی کرے گا، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی یہ کوشش ہرگز ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ دین پسندیدہ اور مقدس تو صرف اور صرف اسلام ہی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب کے پیروکار ہیں اور وہ اپنے اس مذہب کو اسلام سے اچھا اور برتر سمجھتے ہیں، ان کا یہ خیال بالکل باطل ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اسلام کے سوا کوئی اور مذہب بھی پیش ہونے کے قابل ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط — "آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔" (پارہ ۶ سورہ مائدہ: ۳)

یعنی اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آج ہم نے آپؐ کے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی تمام کی تمام نعمتیں آپؐ پر ختم کر دی ہیں اور آپؐ کے واسطے ہم "دینِ اسلام" پر راضی ہیں اور اب اس کے سوا کوئی اور دین قبول نہیں ہے۔

اس آیتِ شریفہ میں دو باتیں ہیں:

(۱) کہ دینِ اسلام کو کامل فرمایا یعنی دوسرے دینوں کی طرح اس میں کوئی نقص یا کمی باقی نہیں۔

(۲) یہ کہ دینِ اسلام پر خداوندِ کریم نے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا۔

یہ مسلمانوں کی انتہائی خوش قسمتی ہے اور خداوندِ کریم و رحیم کا ان پر فضل و کرم ہے کہ اس نے اُن کو اپنے پیارے حبیب افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا۔ تمام کتابوں سے افضل کتاب قرآن شریف کو اُن کی ہدایت کے لیے نازل کیا اور تمام ادیانِ سابقہ سے افضل دین کا حامل بنایا۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جو افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر کے افضل الکتب پر عمل کریں اور خداوندِ قدوس کے حضور افضل الادیان، دینِ اسلام پیش کر کے سرخرو ہوں۔

اہلِ اسلام بھائیوں کو لازم ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ان نعمتوں کی قدر کریں۔ یہ دنیا چند روزہ ہے، آخر کار ہم نے اپنے مالک کے حضور پیش ہونا ہے۔ وہاں اعمال جانچے جائیں گے اور بازپرس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تمام بھائیوں کو اپنے فضل و کرم سے توفیق عنایت فرمائے کہ وہ ان نعمتوں کی قدر کریں اور اطاعتِ خدا اور رسولؐ میں کوشش کریں۔

آخر میں قارئین و ناظرین سے استدعا ہے کہ فقیر کے حق میں دعائے خیر کریں کہ اللہ تعالیٰ، فقیر کو اپنی اور اپنے حبیب افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کی توفیق عطا فرماوے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْهِ

تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ۔ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ وَاَفْضَلِ رُسُلِهٖ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَعِتْرَتِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

راقم:

(پیر سیّد) محمد حسین علی پوری عفا اللہ عنہ

علی پور سیّداں تحصیل پسرور[1] ضلع سیالکوٹ

---

[1] اب علی پور سیداں تحصیل و ضلع نارووال میں واقع ہے۔ (قصوری)